شمائل النبی ﷺ

صوفی جمیل الرحمن عباسی صاحب مدظلہ

مدیر ماہ نامہ مفاہیم کراچی | ناظم شعبۂ تحقیق و تصنیف، فقہ اکیڈمی

فقہ اکیڈمی

کتاب : شمائل النبی ﷺ

مرتب : صوفی جمیل الرحمٰن عباسی

سنِ اشاعت : ربیع الاول ۱۴۴۷ھ بہ مطابق ستمبر ۲۰۲۵ء

بارِ اشاعت : دوم

تعداد : ۱۰۰۰

ناشر : شعبۂ تحقیق و تصنیف و ترجمہ، فقہ اکیڈمی

فقہ اکیڈمی کی مطبوعات یہاں دستیاب ہیں

مین کیمپس فقہ اکیڈمی: C-87، بلاک 7، گلستانِ جوہر، کراچی

جوہر کیمپس فقہ اکیڈمی: C-335، بلاک 1، گلستانِ جوہر، بالمقابل جامعہ کراچی، یونیورسٹی روڈ، کراچی

مسجد کیمپس فقہ اکیڈمی: مسجد شفیق الرحمٰن، D 49، گلزارِ ہجری اسکیم 33، صائمہ ایلیٹ ولاز، کراچی

مکتب کیمپس فقہ اکیڈمی: C-122، خیابانِ اقبال، ذوالفقار اینڈ المرتضیٰ کمرشل ایریا، فیز 8، ڈی ایچ اے، کراچی

ہاؤس آف فاتح کراچی: B-190، گلستانِ جوہر، بلاک 3، کراچی

ہاؤس آف فاتح لاہور: N 289، ماڈل ٹاؤن ایکسٹینشن بلاک N، ماڈل ٹاؤن، لاہور

ہاؤس آف فاتح اسلام آباد: AUG-14، دی اسپرنگ اپارٹمنٹ، اسلام آباد ایکسپریس وے، اسلام آباد

الباقیات الصالحات فاؤنڈیشن: مسجد دارالارشاد، 110، بلاک B، عباس بروہی گوٹھ، نزد گلشنِ معمار، عقب ناردرن بائی پاس، کراچی

مین کیمپس الحکمۃ وقف، G-20/4، بلاک B، نارتھ ناظم آباد، نزد ضیاء الدین اسپتال، کراچی

دفتر الحکمۃ وقف، B/264، یونٹ نمبر 9، میر فضل ٹاؤن، لطیف آباد، حیدر آباد

دفتر الحکمۃ وقف، وارڈ 76، شاہ کالونی، کھپرو، سندھ

دفتر الحکمۃ وقف، حفاظ اکیڈمی، مکان 54، بخاری اسٹریٹ، گارڈن ٹاؤن، ملتان

دفتر الحکمۃ وقف، الحکمۃ اکیڈمی، چوریاں بازار، بیروٹ، مری

دفتر الحکمۃ وقف، الحکمۃ اکیڈمی للبنات، محلہ گلفام، گلی 5، ڈہانگری، مانسہرہ

دفتر الحکمۃ وقف، مسجد عمر فاروق، موسیٰ آباد، منڈا، ضلع لوئر دیر، خیبر پختون خوا

دفتر الحکمۃ وقف، ہاؤسنگ اسکیم نزد عسکری بینک، راولاکوٹ، آزاد کشمیر

جامعۃ دار الفقہ کراتشي
FIQH ACADEMY KARACHI

فہرست

تقریظ ۵

حرفِ چند ۱۰

شمائل النبی ﷺ ۲۱

شمائل: معنیٰ و مفہوم ۲۱

نبیِ اکرم ﷺ کا حلیہ مبارک ۲۲

نبیِ اکرم ﷺ کا اندازِ گفتگو ۳۱

نبیِ اکرم ﷺ کی تقسیمِ اوقات ۳۷

نبیِ اکرم ﷺ کا لوگوں سے میل جول ۴۱

نبیِ اکرم ﷺ کی مجلس کی کیفیت ۴۶

نبیِ اکرم ﷺ کا ساتھیوں کے ساتھ رویہ ۵۱

امِ معبد رضی اللہ عنہا کی زبان سے آپ ﷺ کا وصف ۵۷

تخریج ۶۰

حضورِ اکرم ﷺ کا شجرۂ نسب مبارک ۶۱

شمائل النبی ﷺ کے موضوع پر چند کتابوں کی فہرست ۶۲

استفادہ برائے ترجمہ و تشریح ۶۲

نعتِ رسول ﷺ ۶۳

وَأَحسَنَ مِنكَ لَم تَرَ قَطُّ عَيني
وَأَجمَلَ مِنكَ لَم تَلِدِ النِساءُ
خُلِقتَ مُبَرَّأً مِن كُلِّ عَيبٍ
كَأَنَّكَ قَد خُلِقتَ كَما تَشاءُ

سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ

تقریظ

ڈاکٹر محمد رشید ارشد

اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ فلسفہ، جامعہ پنجاب و مدیر غزالی فورم

در جہانی واز جہاں بیشی

نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ مبارک کی بابت جو بھی عرض کیا جائے گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ہمیشہ اس سے کہیں زیادہ ہوگی۔ ہمارے استاذ کہا کرتے ہیں کہ فارسی نعت کی روایت کا سب سے بڑا شعر انوریؔ کا یہ شعر ہے:

در جہانی و از جہاں بیشی		ہم چو معنیٰ کہ در بیاں باشد

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں ہیں لیکن اس دنیا سے زیادہ ہیں، جیسے معنیٰ بیان میں ہوتا ہے لیکن وہ بیان سے زیادہ ہوتا ہے۔ ہم ایسے بے بضاعت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کیا بیان کریں گے:

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

یا جو غالبؔ نے کہا تھا:

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتم

نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ اس سے کہیں بلند ہے کہ اسے ٹکڑوں میں تقسیم کیا جائے، لیکن تفہیمِ مدعا کے لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ والہ صفات دو حصوں میں منقسم تھی: ایک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے خالق و مالک اور محبوبِ حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ سے تعلق، جس کو ہم اختصار سے ''تعلق مع الحق'' کہہ سکتے ہیں۔ اور دوسرا ما سوی اللہ سے تعلق، جس کو ہم ''تعلق مع الخلق'' کا عنوان دے سکتے ہیں۔ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دونوں جہات کا صحیح ادراک حاصل نہ ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف ناقص رہ جائے گا۔

محمد حسن عسکری نے اپنے ایک مضمون ''محسن کاکوروی'' میں یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ حالی کے زیرِ اثر ہمارے ہاں نعت میں اللہ کے نبی ﷺ کے حوالے سے اخلاقی و سماجی پہلو کا غلبہ ہوگیا۔ حالی چونکہ جدیدیت کے زیرِ اثر ہر چیز میں افادیت دیکھنے کے عادی ہوگئے تھے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ایک سماجی مصلح ہونے کی حیثیت کو بہت نمایاں کیا، اور بقول عسکری صاحب: ''آپ ﷺ کی آمد سے انسانیت کو جو فوائد حاصل ہوئے ان کا ایک بہی کھاتا بنالیا''۔ اس میں تو کوئی دو رائے ہو ہی نہیں سکتیں کہ رسول اللہ ﷺ کی آمدِ مبارک سے انسانیت کو شرف عظیم حاصل ہوا ہے اور کُل عالَم نے آپ ﷺ سے بہترین فیض حاصل کیا۔ اقبال نے اس بارے میں بہت صحیح کہا ہے:

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو — زاں کہ از خاکش بروید آرزو

یا ز نورِ مصطفیٰ او را بہاست — یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ است

لیکن نبیِ اکرم ﷺ کا سب سے بڑا تعارف جو کہ قرآن نے کروایا ہے وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں: ﴿وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ﴾۔ نبیِ اکرم ﷺ کا اصل مقام اللہ تعالیٰ کے تعلق سے متعیّن ہوگا۔ آپ ﷺ عبدِ کامل تھے، آپ کی شخصیت کا سب سے نمایاں وصف عبدیتِ کاملہ تھی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک روایت کا مفہوم ہے کہ آپ ﷺ ہم سے خوش گفتاری فرما رہے ہوتے تھے کہ اذان کی آواز آپ کے گوشِ مبارک میں پڑتی، تو آپ ﷺ ہمیں ایسے چھوڑ کر اٹھ جاتے گویا آپ ہمیں جانتے ہی نہیں۔ یا آپ کا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ فرمانا: ''ہٹ جاؤ! مجھے اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے دو''، آپ ﷺ کے عبدِ کامل ہونے کا مظہر ہے۔ اس میں کیا شبہہ ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت کے اساسی مقاصد میں اظہارِ دین شامل تھا اور اس کے لیے آپ ﷺ نے جاں گُسل محنت کی، لیکن اگر پوچھا جائے کہ آپ ﷺ کا اپنا رجحان کس طرف تھا تو وہ یقینا تبتل الی اللہ ہی کی طرف تھا۔ اسی لیے قرآن میں حق تعالیٰ نے آپ ﷺ سے فرمایا: ﴿إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا﴾ ''دن میں تو تم لمبی مصروفیت میں رواں دواں رہتے ہو''۔ (سورۃ المزمل: ۷)

سورۃ النصر میں جہاں یہ بتایا گیا کہ اب وقت آگیا ہے کہ لوگ دین میں جوق در جوق داخل ہوں گے تو اب آپ کو چاہیے کہ آپ اپنے رب کی تسبیح کیجیے اپنے رب کی حمد کے ساتھ، اور استغفار کیجیے۔ اگر ہم غور کریں تو ہم پر یہ بات بادنیٰ تامل واضح ہو جائے گی کہ نبیِ اکرم ﷺ کی دعاؤں کا سب سے بڑا حصہ استغفار سے متعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جو ہمہ وقت اور ہمہ وجوہ حضوری آپ ﷺ کو حاصل تھی اس میں استغفار (جو کہ بندگی کا اصل حال ہے) آپ ﷺ کی کل متاع تھی۔

رسول اللہ ﷺ کا اولین حق آپ ﷺ پر ایمان لانا ہے۔ اس ایمان کے دو لوازم ہیں: اطاعت اور محبت۔ ان دونوں کے بھی دو مدارج ہیں: اطاعت کا پہلا درجہ فرماں برداری اور دوسرا اتباع ہے۔ محبت کا پہلا درجہ مستقل ذہنی ترجیح اور دوسرا غالب ترین حسی تعلق ہے۔ ایمان بالرسالت کے قانونی اور اعتقادی پہلو واضح ہیں۔ اس کی ایک حکیمانہ جہت بھی ہے جسے پیشِ نظر رہنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ پر ہمارا ایمان غیب کو واجب الاثبات بنانے والی سب سے بڑی قوت ہے۔ اس ایمان کی مدد سے ہمارے تمام عقائد میں ایک زندہ تیقن پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ نبیِ کریم ﷺ جس حجت کو قائم فرمانے آئے تھے وہ اپنے دو مظاہر رکھتی ہے: پہلا مظہر قرآن اور دوسرا آپ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ۔ قرآن ایمان کی حقیقت کو ذہن و ارادے پر حتماً غالب کر دیتا ہے، اور ذاتِ رسول ﷺ آدمی کی طبعیت میں اس کا استحضار پیدا کر دیتی ہے۔ گویا آپ ﷺ محض کتاب لے کر ہی نہیں آئے تھے بلکہ اللہ نے آپ کو حجت بنا کر بھی بھیجا تھا۔

ایمان جس غیر متزلزل یقین کا تقاضا کرتا ہے وہ ہمارا شعور کسی بھی صلاحیت اور قوت سے حاصل نہیں کر سکتا، کیوں کہ یہ اپنی نارسائی پر قانع نہیں رہ سکتا۔ غیب اس کے دلائل کا منتہا تو ہو سکتا ہے مگر اسے یقین کے مَوۡقِف پر اس طرح استوار نہیں کر سکتا جس طرح کے تیقن سے یہ مانوس ہے۔ عقل تصور سازی میں چاہے کتنا بھی انہماک رکھے اس کے تصورات ایمان کی تشکیل نہیں کر سکتے۔ یقین کی ہر قسم میں شعور کی وہ تسکین ناگزیر ہے جو تجربے اور مشاہدے سے حاصل ہوتی ہے۔

رسالت کی ایمانی اہمیت یہ ہے کہ شعور کو اس دو طرفہ شہود تک پہنچا دیتی ہے جس کا ایک سرا یہاں ہے

اور دوسرا غیب میں، اور یہ دونوں سرے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں جڑے ہوئے ہیں۔ جیسے ایک بے کنار سمندر کا ساحل اس کے اَن دیکھے کناروں پر بھی یقین پیدا کر دیتا ہے۔ مختصر یہ کہ غیبِ مطلق کو ماننے کا خدائی تقاضا پورا ہی نہیں ہو سکتا جب تک کہ رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کے دونوں اصول یعنی انسانیت اور رسالت سے مومنانہ نسبت نہ پیدا کی جائے۔ آپ ﷺ کی یہ دونوں جہتیں ایک دوسرے میں اپنے اپنے کمالات کے ساتھ مدغم ہیں اور یہی ادغام؛ شہود کی طرح موجبِ یقین بناتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی رسالت ہو یا بشریت دونوں کا قوام ایک ہی ہے، یعنی رسالت کے کمالات عین بشریت کے کمالات ہیں اور آپ ﷺ کی بشریت کے مراتب رسالت کے مقامات سے اس طرح جڑے ہوئے ہیں جیسے دو متحد المعنیٰ الفاظ۔ یعنی لفظ ایک دوسرے سے ممتاز ہونے کے باوجود معنوی اتحاد رکھتے ہیں اور ان پر آخری حکم اتحاد کا لگایا جائے گا نہ کہ امتیاز کا۔ جس طرح ہم جانتے ہیں کہ نبی جس سلسلۂ معجزات کو لے کر آتا ہے اس میں پہلا معجزہ وہ خود ہوتا ہے۔ یہ الٰہی معجزہ عصمت کی شکل میں ظہور کرتا ہے یعنی رسول اللہ ﷺ میں رسالت اور بشریت کا منتہائی اتحاد نقطۂ عصمت پر واقع ہوتا ہے۔ یہ عِصمت ان کی بشریت کو بھی حاصل ہے اور رسالت کو تو خیر ہے ہی۔

دورِ استعمار میں جب مستشرقین نے اسلام اور پیغمبرِ اسلام کو نشانے پر لیا تو بہت سے اسلامی مفکرین نے معذرت خواہانہ رویہ اختیار کیا۔ اسی سلسلے میں سیرت نگاری کا بھی ایک نیا اسلوب اختیار کیا گیا جس میں Humanization of the Prophet ایک اہم عنصر تھا۔ کوشش کی گئی کہ پیغمبر کی شخصیت اور ان کی حیاتِ مبارکہ کو خالص انسانی نقطۂ نظر سے انسانی سطح پر دیکھا اور دکھایا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کے بشریت کے پہلو کو بہت نمایاں کر کے پیش کیا گیا۔ محمد حسن عسکری کے الفاظ میں: "لیکن اب سرسید کے زیرِ اثر اور پیرویِ مغرب کے شوق میں لارڈ میکالے کے عقیدت مند ابھرنے لگے تھے جو کہتے تھے کہ اسلام افضل ترین مذہب ہے، کیوں کہ یہ مذہب ہے ہی نہیں بلکہ دنیاوی زندگی بسر کرنے کا ایک سیدھا سادہ راستہ ہے اور آنحضرت ﷺ محض پیغمبر نہیں بلکہ "ریفارمر اور مصلح ہیں"۔

ایک اور رویہ جو بیسویں صدی کے نصفِ ثانی میں زیادہ ابھر کر سامنے آیا وہ یہ تھا کہ ہمارے ہاں سیرت النبی ﷺ کی محفلوں میں پیغمبر کے لب و رخسار کا تذکرہ تو ہوتا ہے، ان سے والہانہ محبت کا اظہار بھی ہوتا ہے لیکن مسلمانوں کے لیے کوئی عملی پیغام نہیں ہوتا۔ اس کمی کو دور کرنے کے لیے ''سیرت النبی کا پیغام'' جیسے موضوعات کو اہمیت دی گئی اور اہلِ ایمان کو یہ بتانے کی کاوش کی گئی کہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان کے عملی تقاضے کیا ہیں۔ یقیناً اس کی ضرورت تھی اور محض عقیدت و محبت کے دعوے کرتے چلے جانا اور عمل کی طرف سے مسلسل کوتاہی کرنا ایک غیر متوازن رویہ ہے۔ لیکن اس معاملے میں پھر ایک اور انتہائی روش اختیار کر لی گئی کہ رسول اللہ ﷺ کے شمائل و مناقب کا باب تقریباً بند کر دیا گیا۔ اب پھر اس بات کی ضرورت ہے کہ سیرت النبی ﷺ کے مختلف اطراف و جوانب مثلاً ''شمائلِ محمدی'' اور ''دلائل و خصائصِ پیغمبری'' وغیرہ کی طرف از سرِ نو متوجہ ہوا جائے۔

برادرم جمیل الرحمٰن عباسی کا یہ رسالہ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس کتابچے میں انھوں نے شمائلِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر مشتمل دو جامع روایات کا ترجمہ، شرحِ غریب مع مختصر حواشی تحریر کیا ہے۔ امید ہے کہ یہ کاوش اہلِ ایمان میں رسول اللہ ﷺ سے شخصی محبت میں اضافے کا باعث بنے گی۔ دعا ہے کہ رب تعالیٰ اس تالیف کو مصنف اور قارئین کے لیے توشۂ آخرت بنائے، آمین۔

* * * * *

حرفِ چند

ربِّ کائنات کی بخشش وعطا ہو یا غلبہ وفتح یا نجات وفلاح، سبھی کا دارومدار ایمان پر ہے اور ایمان سراسر نام ہے محمد رسول اللہ ﷺ کو ماننے کا۔ فرمانِ رسول ﷺ ہے: «مُحَمَّدٌ فَرْقٌ بَيْنَ النَّاسِ»[1] "محمد ﷺ تو لوگوں کے درمیان وجہِ امتیاز ہیں اور ایمان محض ماننے کا بھی نہیں بلکہ دل کے اس قدر گہرے شغف سے ماننے کا نام ہے کہ ذاتِ رسول ﷺ محبوب بن جائے۔ گویا "حبِّ رسول" ہے تو ایمان ہے اور اگر اس میں کچھ فرق ہے تو ایمان غیر معتبر ہے۔

آپ ﷺ نے واشگاف انداز میں فرمادیا: «لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ»[2] "تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے اپنے والدین، اولاد اور تمام انسانوں سے محبوب تر نہ ہو جاؤں"۔ ایک دفعہ نبیِ اکرم ﷺ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے تھے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرطِ محبت سے کہا: يَا رَسُوْلَ اللهِ لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ إِلَّا مِنْ نَفْسِي "اے اللہ کے رسول! آپ مجھے دنیا کی ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں سوائے اپنی جان کے"۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے انھیں گویا سمجھاتے ہوئے فرمایا: «لَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْكَ مِنْ نَفْسِكَ» "نہیں! مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم مجھ سے محبت کرو یہاں تک کہ اپنی جان سے بھی زیادہ"۔ اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ محبت رسول ﷺ اپنی جان سے بڑھ کر مطلوب ہے تو انھوں نے بلا توقف عرض کیا: فَإِنَّهُ الْآنَ وَاللهِ لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ نَّفْسِي

---

[1]-صحيح البخاري، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ

[2]-صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب حب الرسول ﷺ من الإيمان

"پس اب میں کہتا ہوں کہ آپ تو مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں"۔ اس پر رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: «اَلْآنَ یَا عُمَرُ» "ہاں عمر اب تم نے صحیح بات کی"۔ (۳)

صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاں محبتِ رسول ﷺ تمام محبتوں حتیٰ کہ قریبی رشتے داروں کی محبت سے بھی فائق تھی جیسا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس بابت پوچھے جانے پر فرماتے ہیں: كَانَ وَاللهِ أَحَبَّ إِلَيْنَا مِنْ أَمْوَالِنَا وَأَوْلَادِنَا وَآبَائِنَا وأُمَّهَاتِنَا وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ عَلَى الظَّمَإِ (۴) "آپ ﷺ ہمیں مال و اولاد، اور اپنے ماں باپ سے بھی زیادہ محبوب ہیں اور ہمیں آپ ﷺ کے ساتھ محبت اس سے بھی زیادہ ہے جو کسی کو شدید پیاس میں ٹھنڈے پانی سے ہوتی ہے"۔

حضرت ابنِ اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں کہ جنگِ احد میں ایک انصاری صحابیہ رضی اللہ عنہا کے والد، خاوند اور بھائی شہید ہو گئے لیکن وہ رسول اللہ ﷺ کا پوچھتی رہیں، جب انھیں آپ ﷺ کی خیریت کی اطلاع دی گئی تو آپ ﷺ کو دیکھنے پہنچ گئیں اور جب دیکھ لیا تو کہنے لگیں: كُلُّ مُصِيبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ (۵) "اے نبی! آپ کو خیریت سے پالینے کے بعد باقی مصیبتوں کا کوئی غم نہیں"۔

ان قدسی افراد کو اپنی خوشی سے بڑھ کر راحتِ رسول ﷺ عزیز تھی۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَإِسْلَامُ أَبِي طَالِبٍ كَانَ أَقَرَّ لِعَيْنِي مِنْ إِسْلَامِهِ - يعنى أباه أبا قُحَافَةَ- وَذٰلِكَ أَنَّ إِسْلَامَ أَبِي طَالِبٍ كَانَ أَقَرَّ لِعَيْنِكَ (۶) "اس ذات کی قسم

۳۔ صحيح البخاري، كتاب الأيمان والنذور، باب كيف كانت يمين النبي ﷺ

۴۔ أيضاً

۵۔ أيضاً

۶۔ أيضاً

جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، ابو طالب اگر مسلمان ہو جاتے تو مجھے اپنے والد (یعنی ابوقحافہ رضی اللہ عنہ) کے قبولِ اسلام سے زیادہ خوشی ہوتی، کیوں کہ اس میں آپ ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان تھا"۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ، سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے کہتے ہیں: أَنْ تُسْلِمَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يُسْلِمَ الْخَطَّابُ لِأَنَّ ذَلِكَ أَحَبُّ إِلٰى رَسُولِ اللهِ ﷺ[7] "آپ کے قبولِ اسلام سے مجھے اتنی خوشی ہوگی کہ اتنی اپنے والد کے قبولِ اسلام سے نہ ہوتی، کیوں کہ آپ رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام رسول اللہ ﷺ کی خوشی کا باعث ہے"۔ یہی نہیں بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی جان سے بھی زیادہ رسول اللہ ﷺ سے محبت کیا کرتے تھے۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو مشرکینِ مکہ نے نہایت بہیمانہ طریقے سے شہید کیا۔ قبل از شہادت ان سے پوچھا گیا: "کیا تم پسند کرتے ہو کہ تمھاری جگہ محمد ﷺ ہوں اور تم اپنے گھر میں ہو؟"، اس محبِ صادق نے بلا تامل جواب دیا: اللہ کی قسم مجھے اپنے گھر میں رہنا اس قیمت پر بھی منظور نہیں کہ میرے حضور ﷺ کو ایک کانٹا تک بھی چبھے"۔ تو آپ رضی اللہ عنہ مقتل میں اس دھج سے گئے کہ دعا کر رہے تھے: "اے اللہ! یہاں کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو تیرے رسول ﷺ کو میرا سلام پہنچائے، اے اللہ! تو اپنے نبی ﷺ تک میرا سلام پہنچا دے"۔ ادھر یہ سلامِ محبت پیش ہو رہا ہے اور قبولیت دیکھیے کہ رسول اللہ ﷺ نے «وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ» کہا اور خبر دی کہ جبریل؛ خبیب کا سلام پہنچانے آئے تھے۔[8]

سیدنا زید بن دَثِنَّة رضی اللہ عنہ کو جب مشرکین گرفتار کر کے مکہ لے گئے تو ان کو قتل کرنے کے لیے حدودِ حرم سے باہر تنعیم لے جایا گیا۔ اس موقعے پر ابوسفیان نے (جو اس وقت تک اسلام نہ لائے تھے) ان سے پوچھا: کیا تم پسند کرتے ہو کہ تمھارے بدلے محمد ﷺ کی (العیاذ باللہ) گردن مار دی جائے اور تم اپنے گھر میں اہل و عیال کے ساتھ خیریت سے رہو؟ انھوں نے جواب دیا: وَاللهِ مَا أُحِبُّ أَنَّ مُحَمَّدًا الْآنَ فِي مَكَانِهِ الَّذِي هُوَ فِيهِ

---

[7]۔صحيح البخاري، كتاب الأيمان والنذور، باب كيف كانت يمين النبي ﷺ

[8]۔مغازي للواقدي، غزوة الرجيع

تُصِيْبُهُ شَوْكَةٌ وَأَنِّيْ جَالِسٌ فِيْ أَهْلِيْ[9] "اللہ کی قسم میں تو یہ بھی نہیں پسند کرتا کہ محمد ﷺ اس وقت جہاں موجود ہیں وہاں بھی ان کو کانٹا چبھے اور میں اپنے گھر چلا جاؤں"۔ اس پر ابو سفیان کہنے لگے: "میں نے کسی کو کسی سے ایسی محبت کرتے نہیں دیکھا جیسی کہ محمد سے ان کے ساتھی کرتے ہیں"۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت کا حال یہ تھا کہ انھیں موت اس لیے محبوب ہو گئی تھی کہ یہ رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کا ذریعہ بننے والی تھی: سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کا جب آخری وقت آیا تو ان کی زوجۂ محترمہ شدتِ رنج و الم سے پکار رہی تھیں: وَاوَيْلَاهُ "ہائے مصیبت" جبکہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نغمہ زن تھے: وَافَرْحَاهُ "شادمانی ہے شادمانی" اور یوں شعر پڑھ رہے تھے:

غَدًا أَلْقَى الْأَحِبَّةَ   مُحَمَّدًا وَّ حِزْبَهُ[10]

"کل میں اپنے محبوب محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں سے ملنے والا ہوں"۔

تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی رفعت محض "صحبت" ہی کے طفیل نہیں بلکہ "محبت" کے طفیل بھی ہے کہ وہ سچے محبِ رسول ﷺ تھے۔ فی الحقیقت رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر انھیں کوئی محبوب نہ تھا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مَاكَانَ أَحَدٌ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ رَّسُوْلِ اللهِ ﷺ[11] "مجھے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی محبوب نہیں"۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی محبتِ رسول ﷺ کا یہ عالم تھا کہ انھیں وہ جنت جس میں دیدارِ رسول ﷺ میسر

---

[9] ۔الشفاء بتعريف حقوق المصطفىٰ، للقاضي عياض رحمہ اللہ، القسم الثاني، الباب الثاني في لزوم محبته، فصل فيما روي عن السلف والأئمة من اتباع سنته

[10] ۔تاريخ دمشق لابن عساكر، حرف الباء، بلال بن رباح أبو عبد الكريم ويقال أبو عبد الله ويقال أبو عمرو الحبشي

[11] ۔الشفاء بتعريف حقوق المصطفىٰ ﷺ، للقاضي عياض رحمہ اللہ، القسم الثاني، الباب الثاني في لزوم محبته، فصل فيما روي عن السلف والأئمة من اتباع سنته

نہ ہوباعثِ تشویش تھی۔ جیساکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر گویاہوئے: يَا رَسُوْلَ اللهِ وَاللهِ إِنَّكَ لَأَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ نَّفْسِيْ وَإِنَّكَ لَأَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَهْلِيْ وَأَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ وَلَدِيْ وَإِنِّي لَأَكُوْنُ فِي الْبَيْتِ فَأَذْكُرُكَ فَمَا أَصْبِرُ حَتّٰى اٰتِيَكَ فَأَنْظُرُ إِلَيْكَ وَإِذَا ذَكَرْتُ مَوْتِيْ وَمَوْتَكَ عَرَفْتُ أَنَّكَ إِذَا دَخَلْتَ الْجَنَّةَ رُفِعْتَ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَإِنِّيْ إِذَا دَخَلْتُ الْجَنَّةَ خَشِيْتُ أَنْ لَّا أَرَاكَ[۱۲] ”یارسول اللہ! اللہ کی قسم میں آپ سے اپنی جان سے بھی زیادہ محبت کرتا ہوں اور آپ مجھے اپنے اہل وعیال سے بھی زیادہ محبوب ہیں، اور حال یہ ہے کہ جب میں اپنے گھر میں ہوتا ہوں اور آپ ﷺ کی یاد آتی ہے تو بے چین ہوجاتا ہوں اس وقت تک صبر نہیں آتا جب تک حاضرِ خدمت ہوکر آپ ﷺ کا دیدار نہ کرلوں، لیکن جب مجھے اپنی اور آپ ﷺ کی موت یاد آتی ہے تو سوچتا ہوں کہ جنت میں داخل ہونے کے بعد آپ ﷺ انبیا علیہم السلام کے ساتھ بلند مقام پر ہوں گے اور جب میں جنت میں داخل ہوں گا (کم درجے کی وجہ سے) ڈرتا ہوں کہ آپ ﷺ کے دیدار سے محروم ہوجاؤں گا“۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبیِ اکرم ﷺ نے اپنے صحابی کی اس بات کا اس وقت تک کوئی جواب نہ دیا جب تک حضرت جبرائیل علیہ السلام یہ آیت لے کر نہ آگئے: ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ﴾ (النساء:۶۹) ”اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی وہ (جنت میں) ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے یعنی انبیا علیہم السلام، صدیقین، شہدا اور (عام) نیک لوگوں کے ساتھ“۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے قیامت کے بارے میں دریافت کیا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «وَمَاذَا أَعْدَدْتَ لَهَا؟» ”تم نے اس کے لیے کیا

[۱۲]۔المعجم الأوسط للطبراني، جزء۱، ۱۵۲، الناشر : دار الحرمين – القاهرة، ۱۴۱۵

سامان تیار کیا ہے؟" انھوں نے بطور تواضع عرض کیا: لَا شَيْءَ إِلَّا أَنِّي أُحِبُّ اللهَ وَرَسُوْلَهُ "میں نے بجز اس کے کوئی تیاری نہیں کی کہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو محبوب رکھتا ہوں"۔ اس پر حضور پُر نور ﷺ نے فرمایا: «أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ» "تم اسی کے ساتھ ہوگے جس سے تم محبت رکھتے ہو"۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم اس خبر سے بڑھ کر کسی بات پر اتنے خوش نہیں ہوئے۔ اور میں رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دوست رکھتا ہوں اور مجھے امیدِ واثق ہے کہ چونکہ مجھے ان حضرات سے محبت ہے لہذا میں ان کے ہمراہ ہوں گا اگرچہ میں نے ان حضرات جیسے اعمال نہیں کیے"۔ [۱۳]

ہر الفت و محبت کے کچھ تقاضے بھی ہوتے ہیں، چنانچہ حُبِّ رسول ﷺ کا لازمی تقاضا سنتِ رسول ﷺ کا احیاو اتباع ہے: «مَنْ أَحْيَا سُنَّتِي فَقَدْ أَحَبَّنِيْ» [۱۴] "جس نے میری سنت کو زندہ کیا اس نے مجھ سے محبت کی"۔ یہ حدیثِ مبارکہ سنت کی پیروی کو محبتِ رسول ﷺ سے جوڑتی ہے تو آیتِ کریمہ اللہ سے محبت کا ثمرہ بھی اتباعِ رسول ہی کو ٹھہراتی ہے: ﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (آلِ عمران:۳۱) (اے نبی!) آپ فرمادیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو، (اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ) اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھاری خطاؤں کو معاف فرما دے گا، اور اللہ بہت معاف کرنے والا (اور) بہت رحم فرمانے والا ہے"۔ محبتِ الٰہی اور حبِ رسول ﷺ میں اتحاد و ایکا ہے، ان میں کوئی علیحدگی اور دوئی نہیں تو اس اتحاد کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ دونوں محبتوں کا حاصل، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، اتباعِ رسول ہے۔ بہر حال مندرجہ بالا حدیث اور آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے محبت اور رسول اللہ ﷺ کی محبت دونوں کا لازمی تقاضا نبیِ اکرم ﷺ کا اتباع ہے۔ اس اتباع کا ایک نتیجہ تو یہ نکلے گا کہ ہم اللہ کی محبت میں پختہ تر اور مضبوط تر ہوتے چلے جائیں گے اور

---

[۱۳]۔صحيح البخاري، كتاب فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب عمر بن الخطاب رضي الله عنه

[۱۴]۔سنن الترمذي، أبواب العلم عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء في الأخذ بالسنة واجتناب البدع

دوسرا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہم اللہ کے محبوب اور اس کی مغفرت و رحمت کے سزاوار قرار پائیں گے۔ جن کو یہ مرتبہ مل جائے کہ وہ اللہ کے محبوب قرار پائیں ان کی خوش نصیبی اور خوش بختی کا کیا کہنا، یہ تو وہ لوگ ہیں کہ جبریل علیہ السلام اور دوسرے فرشتے ان سے محبت کرتے ہیں اور پھر ملاءِ اعلیٰ سے ان کی محبت مخلوق کے دلوں میں القا کی جاتی ہے اور وہ محبوب خلائق بنتے ہیں اور بخاری شریف کی روایت کے مطابق «يُوضَعُ لَهُ الْقَبُولُ فِيْ الأَرْضِ» ''زمین پہ ان کے لیے قبول عام رکھ دیا جاتا ہے''۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اتباعِ رسول کے رنگ میں رنگے جا چکے تھے چنانچہ ہمیں اتباعِ رسول کے بہت سارے محبت آمیز و ہمت آفریں واقعات کتب سیرت میں ملتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک خاص جگہ سے گزرتے ہوئے سرِ مبارک کو قدرے جھکا لیا کرتے تھے، وجہ پوچھنے پر بتایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسے ہی کرتے دیکھا لہٰذا میں بھی اسی طرح کرتا ہوں۔[۱۵] آپ رضی اللہ عنہ ہی کا طرز عمل یہ تھا کہ ایک خاص درخت کے نیچے قیلولہ فرمایا کرتے تھے اور بتایا کرتے تھے کہ یہاں نبیِ اکرم ﷺ نے آرام فرمایا تھا۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما اس درخت کی جڑوں میں پانی بھی ڈالا کرتے تھے کہ کہیں سوکھ نہ جائے چاہے آپ رضی اللہ عنہ کے پاس پانی کا ایک ہی برتن کیوں نہ ہو۔[۱۶] نبیِ اکرم ﷺ نے ایک دفعہ مسجدِ نبوی کے ایک خاص دروازے کو خواتین کے لیے مخصوص کرنے کی خواہش کا اظہار کیا لیکن عملاً اس کا فیصلہ نہیں فرمایا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما مرتے دم تک اس دروازے سے داخل نہیں ہوئے۔[۱۷] دورانِ سفرِ حج نبیِ اکرم ﷺ نے ذوالحلیفہ کے مقام پر قیام فرمایا تو بعد میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی اسی جگہ قیام فرماتے رہے جہاں آپ ﷺ نے قیام فرمایا تھا اور اپنی سواری کو بھی اسی جگہ بٹھایا کرتے تھے جہاں نبیِ اکرم ﷺ نے اپنی سواری کو بٹھایا تھا۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ

---

[۱۵]۔مسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، مسند عبدالله بن عمر رضي الله عنهما

[۱۶]۔ صحيح ابن حبان، كتاب إخباره عن مناقب الصحابة، باب ذكر تتبع ابن عمر آثار رسول الله ﷺ

[۱۷]۔سنن أبي داوٗد، كتاب الصلوة، باب في اعتزال النساء في المساجد عن الرجال

بن عمر رضی اللہ عنہما کے بیٹے سیدنا سالم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ہمیں اسی جگہ اتارا تھا"۔ [18] حضرت موسیٰ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں حضرت سالم رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کے (درمیانی) راستے میں کئی مقامات کو تلاش کر کے ان پر نماز پڑھا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ میرے والد صاحب (سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) ایسا ہی کیا کرتے تھے، کیوں کہ انھوں نے ان مقامات پر رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا تھا۔ [19]

حضرت قُرّہ بن ایاس المُزنی رضی اللہ عنہ ایک دُور دراز علاقے سے آکر رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ انھوں نے آنحضور ﷺ کو بس اسی ایک موقعے پر دیکھا تھا اور اتفاق سے اس وقت آپ ﷺ کا گریبان کھلا تھا۔ آپ ﷺ کو کھلے گریبان کے ساتھ دیکھ کر انھوں نے اور ان کو دیکھ کر ان کے بیٹے حضرت معاویہ بن قرہ رحمۃ اللہ علیہ (تابعی) نے ساری عمر چاہے سردی ہو یا گرمی اپنے گریبان کے بٹن نہیں لگائے۔ [20]

سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ مسجدِ نبوی کے ایک خاص ستون کے پاس نماز پڑھا کرتے تھے اور بتاتے تھے کہ میں نے یہاں رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا تھا۔ [21] صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ طرزِ عمل نبیِ اکرم ﷺ کی محبت کی وجہ سے تھا، تو سوال یہ ہے کہ محبتِ رسول ﷺ کیسے پیدا کی جائے؟ تو یہ کلیدِ محبت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے الفاظ سے معلوم ہوتی ہے کہ وہ جناب رسول اللہ ﷺ کی صفت بیان کرتے ہوئے کہا کرتے تھے: مَنْ خَالَطَهُ مَعْرِفَةً أَحَبَّهُ [22] "جو آپ سے ملتا جلتا آپ کی معرفت کے ساتھ (یا معرفت کی غرض سے) وہ آپ ﷺ سے محبت کرنے لگتا"۔ محبت کا یہ وفور؛ ظہورِ جمالِ خَلق، اظہارِ کمالِ خُلق اور فیضانِ نوالِ حق کے

---

[18] -صحيح البخاري، كتاب الحج، باب قول النبي ﷺ العقيق وادٍ مبارك

[19] -صحيح البخاري، كتاب الصّلاة، باب المساجد التي على طرق المدينة والمواضع التي صلى فيها النبي ﷺ

[20] -سنن أبي داوٗد، كتاب اللباس، باب حل الأ زرار

[21] -صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب دُنُو المصلي من السترة

[22] -سنن الترمذي، أبواب المناقب عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء في صفة النبي ﷺ

سبب تھا اور ہمیشہ سے محبت کے اسباب؛ جمال و کمال اور نوال ہی رہے ہیں۔ پس جب وہ جمالِ دل فروز، صورتِ مہرِ نیم روز؛ نظارہ سوز ہوا۔ تو جس کسی نے جمال و کمالِ محمدی کا نظارہ اور نوالِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے استفادہ کر لیا تو محبت کیے بغیر اس سے رہا نہ گیا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جمال و جلالِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی جلوہ آرائی اور کمالِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی کرم فرمائی کو بچشم سر دیکھنے کا موقع ملا، یہاں تک کہ بعضوں کا بیان ہے کہ جلال کے سبب ہم سے آنکھ بھر کے دیکھا نہ گیا اور بعض فرماتے ہیں کہ جمال کے سبب نظر ہٹائی نہ گئی۔ بہرحال ہمیں رویتِ محمدی و صحبتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام حاصل نہیں۔ ہمارے لیے تو بس رویتِ قلبی کا راستہ کھلا ہے:

ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی

یہ صحبتِ معنوی ہے جیسا کہ عبداللہ ابنِ مبارک رحمۃ اللہ علیہ اپنی تنہائی کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ میں تو رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہتا ہوں، اور پوچھنے پر بتایا کرتے کہ اپنے مطالعۂ حدیث کے ذریعے:

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

لہٰذا یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ آج اس صحبتِ معنوی و معرفتِ محمدی کا راستہ سیرت و شمائلِ محمدی کا مطالعہ ہے:

أَخِلَّائِيْ إِنْ شَطَّ الْحَبِيْبُ وَرَبْعُهُ وَعَزَّ تَلَاقِيْهِ وَنَأَتْ مَنَازِلُهُ
وَفَاتَكُمْ أَنْ تَنْظُرُوْهُ بِعَيْنِكُمْ فَمَا فَاتَكُمْ بِالسَّمْعِ فَهٰذِهِ شَمَائِلُهُ[۲۳]

”میرے دوستو! اگرچہ محبوب دور ہو گیا ہے، ملاقات کٹھن اور رستے جدا ہو گئے۔ اس کا اپنی آنکھوں کے ذریعے دیدار تم سے چلا گیا تو اس کے شمائل کا سننا سنانا تو تم سے کہیں نہیں گیا“۔ اور کہا کسی دوسرے کہنے والے نے:

يَا عَيْنُ إِنْ بَعُدَ الْحَبِيْبُ وَدَارُهُ وَنَأَتْ مَرَابِعُهُ وَشَطَّ مَزَارُهُ
فَلَقَدْ ظَفِرْتِ مِنَ الْحَبِيْبِ بِطَائِلٍ إِنْ لَّمْ تَرِيْهِ فَهٰذِهِ آثَارُهُ[۲۴]

۲۳۔ مقدمة جمع الوسائل في شرح الشمائل لمُلّا علي القاري

۲۴۔ أيضا

"اے انکھیو! اگر حبیب اور اس کے ٹھکانے سے دوری پڑگئی، اس کے راستے جدا ہوگئے اور زیارت مشکل ہوگئی توکیا ہوا، تم نے محبوب کی یادیں تو محفوظ کر ہی لی ہیں، کیا ہوا اگر تم ذاتِ محبوب کو نہیں پاتیں، اس کے آثار تو ہیں نا! ان ہی سے کو لگائے رکھو"۔

پس شمائل و آثارِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے التزام سے یقیناً محبت پیدا ہونے کا قوی امکان ہے اور محبت بھی شدید ترین، جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مِنْ أَشَدِّ أُمَّتِيْ لِيْ حُبًّا نَاسٌ يَكُوْنُوْنَ بَعْدِيْ يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ رَآنِيْ بِأَهْلِهِ وَمَالِهِ»[۲۵] "میری امت میں سے سب سے زیادہ میرے ساتھ محبت کرنے والے کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو میرے بعد آئیں گے۔ ان میں سے ہر ایک کی خواہش ہوگی کہ اپنے اہل و عیال اور مال و منال قربان کرکے بھی مجھے دیکھ پائے تو دیکھ لے"۔ حصولِ محبتِ رسول ﷺ کا دوسرا ذریعہ جو دراصل پہلے ہی کی توسیع ہے درود و سلام کی صورت میں ہمیں دستیاب ہے۔ یوں کہیے کہ یہ معرفتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہی کا لازمی نتیجہ ہے کہ جو ذاتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے فیوض و انوار کو محسوس کرلے وہ کہے بنا رہ نہیں پاتا:

بَلَغَ الْعُلَا بِكَمَالِهِ كَشَفَ الدُّجٰى بِجَمَالِهِ

حَسُنَتْ جَمِيْعُ خِصَالِهِ صَلُّوْا عَلَيْهِ وَآلِهِ

"آپ ﷺ اپنے کمال کی وجہ سے بلندیوں پر پہنچے اور آپ نے اپنے جمال سے (کفر و ضلالت) کی تاریکیوں کو دور کیا۔ آپ کی تمام خصلتیں خوب ہیں۔ اُن پر اور اُن کی آل پر درود بھیجو"۔

حضرت رابعہ العدویہ رحمۃ اللہ علیہا کا مشہور قول ہے: مَن أَحَبَّ شَيئًا أَكثَرَ مِن ذِكرِهِ "جب کوئی کسی سے محبت کرتا ہے تو اس کا ذکر بھی بکثرت کرتا ہے"۔ پس درود و سلام حب النبی ﷺ کا مظہر ہے اور فضائل اس کے بے شمار اور ان سب پر دال۔ جامعِ علمِ قدیم، فاتحِ دورِ جدید حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے: "میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے درود شریف کو روزانہ کا معمول بنانے کی وصیت کی اور فرمایا ہم نے جو

[۲۵]۔صحيح مسلم، كتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب فيمن يود رؤية النبي ﷺ بأهله وماله

پایا اسی کے دم سے پایا"۔ (۲۶) پس درودِ مصطفیٰ ﷺ پر دوام کرنا چاہیے اور کم سے کم دس بار صبح و شام درود کا اہتمام کر لیا جائے۔ یہ عمل حدیثِ صریح و صحیح کے مطابق شفاعتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے حصول کا ذریعہ بھی ہے۔ بالخصوص شمائل نبوی کے مطالعے کے اول و آخر تو اہتمام ضرور ہو کہ فرامینِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں دعاؤں کے اول و آخر پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے اور نعت و تعریفِ مجتبیٰ بمنزلہ دعا کے ہے، کیوں کہ سراسر موجبِ رحمت ہے۔ اور یوں بھی بعض اہلِ دل نے اپنا تجربہ بیان کیا ہے کہ شمائل کے مطالعے کے بعد درود و سلام پڑھنے سے شوق و لذت میں وہ اضافہ دیکھا گیا کہ الفاظ میں احاطہ محال ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس رسالے کو ہمارے لیے باعث نجات بنائے: بقول قاری عبدالسلام مضطر:

قبولِ حق جو ہو جائے یہ کوشش میرے خامے کی
سیاہی ساری ڈھل جائے مرے اعمال نامے کی

طالبِ دعا
جمیل الرحمٰن عباسی

[۲۷]۔ شفاء العلیل، ترجمہ: القول الجمیل، ص: ۱۷۷

شمائل النبی ﷺ

شمائل: معنیٰ و مفہوم

شمائل لفظِ شمال کی جمع ہے جس کے ایک معنیٰ عادت، طبیعت اور خصلت کے ہیں۔ شمائلِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے آپ ﷺ کی عادات و اخلاق اور خصائل مراد ہیں۔ اس موضوع کے تحت آپ ﷺ کی ظاہری و باطنی صورت اور سیرت، آپ ﷺ کا اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، سونا جاگنا، مزاج و عادات، معاشرت اور لباس وغیرہ زیرِ بحث آتے ہیں۔ ویسے تو حدیث و سنتِ رسول ﷺ کی تمام کتب میں نبیِ اکرم ﷺ کے بارے میں یہ معلومات مل جاتی ہیں لیکن محدثین نے درجنوں کی تعداد میں کتب خاص اسی موضوع پر مرتب کی ہیں۔ زیرِ نظر کتابچے میں دو روایات کو جمع کیا گیا ہے۔ پہلی روایت حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ سے منقول ایک طویل روایت ہے جو شمائلِ ترمذی میں مختلف ابواب کے تحت نقل ہوئی ہے۔ البتہ سیرت و شمائل کی کئی کتابوں میں یہ روایت یک جا بھی دستیاب ہے۔ امام ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ (۶۰۶ھ) نے جامع الأصول في أحاديثِ الرسول میں اسے سب سے بہترین اور مکمل ترین روایت قرار دیا ہے۔ دوسری روایت حضرت امِ معبد عاتکہ بن خالد الخزاعیہ رضی اللہ عنہا سے منقول اور فصاحت و بلاغت کا شاہکار ہے جو امام ابوبکر احمد بن حسین البَیْهَقي رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل النبوہ میں اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے مستدرک علی الصحیحین میں نقل کی ہے۔ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اور تقریباً تمام ہی سیرت نگاروں نے اس روایت کو نقل کیا ہے۔ ان دو روایات کے مطالعے سے انسان کو شمائل کے موضوع کا ایک تعارف تو حاصل ہو جاتا ہے لیکن تفصیلی علم کے لیے اس موضوع کی کسی کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔[۲۷]

---

[۲۷] کتابچے کے آخر میں چند کتابوں کے نام دیے گئے ہیں۔

نبیِ اکرم ﷺ کا حلیہ مبارک

عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍ رضي الله عنهما قَالَ: ''سَئَلْتُ خَالِيْ هِنْدَ بْنَ أَبِي هَالَةَ، وَكَانَ وَصَّافًا عَنْ حِلْيَةِ النَّبِيِ ﷺ

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ [۲۸] سے نبیِ اکرم ﷺ کا حلیہ مبارک دریافت کیا اور وہ نبیِ اکرم ﷺ کے حلیہ مبارک کو بہت ہی اچھی طرح بیان کیا کرتے تھے۔

وَأَنَا أَشْتَهِيْ أَنْ يَّصِفَ لِيْ مِنْهَا شَيْئًا أَتَعَلَّقُ بِهٖ

مجھے یہ خواہش ہوئی کہ وہ ان اوصاف میں سے کچھ میرے سامنے بھی ذکر کریں تاکہ میں ان کو اپنا سکوں۔ [۲۹]

فَقَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَخْمًا مُفَخَّمًا

پس وہ یوں بیان کرنے لگے: آپ ﷺ خود اپنی ذات و صفات میں عالی رتبہ تھے اور دوسروں کی نظر میں بھی ایسے ہی سمجھے جاتے تھے۔ [۳۰]

۲۸۔ یہ ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پہلے خاوند سے بیٹے یعنی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ماں کی طرف سے بھائی تھے۔

۲۹۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اپنانے'' سے علمی و عملی ہر دو پہلو مراد ہیں یعنی ان اوصافِ جلیلہ کو اپنے دل و دماغ میں محفوظ کر کے آگے بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی عادات و کردار کا حصہ بنا سکوں۔ اس سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ذوق کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے افکار و نظریات کے ساتھ ساتھ آپ کی شخصیت کے بھی والہ و شیدا تھے اور اس بارے سیکھا کرتے تھے اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم شمائل کے بیان کے ماہر بھی تھے۔ نیز اس روایت سے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے علمی ذوق اور شوقِ پیرویِ رسول ﷺ کا علم ہوتا ہے اور یہ بھی کہ عاداتِ رسول ﷺ کا اتباع بھی نبیِ اکرم ﷺ سے تعلق کی ایک بنیاد ہے۔ پس شمائل کو علمی و عملی طور پر اختیار کرنا چاہیے تاکہ آپ ﷺ کی ذات کے ساتھ تعلق بنایا جا سکے۔

۳۰۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ جو آپ ﷺ کو اچانک دیکھتا اس پر آپ ﷺ کی ہیبت چھا جاتی اور جو واقفیت کے بعد کچھ صحبت کی سعادت حاصل کرتا وہ محبت کرنے لگتا۔ (شمائلِ ترمذی)

يَتَلَأْ لَأُ وَجْهُهُ تَلَأْ لُؤَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ

آپ ﷺ کا چہرہ مبارک چودھویں کے چاند کی طرح چمکتا تھا۔

أَطْوَلَ(۳۱) مِنَ الْمَرْبُوعِ وَأَقْصَرَ مِنَ الْمُشَذَّبِ

آپ ﷺ کی قامت درمیانے قد سے کسی قدر طویل تھی، لیکن لمبے قد سے بہر حال کم تھی۔

عَظِيْمَ الْهَامَةِ، رَجِلَ الشَّعْرِ إِنِ انْفَرَقَتْ عَقِيقَتُهُ فَرَّقَهَا وَإِلَّا فَلَا

سرِ اقدس بڑا تھا،(۳۲) زلفیں کسی قدر بل کھائے ہوئے تھیں۔ اگر خود ہی مانگ نکل آتی تو مانگ رہنے دیتے ورنہ بالوں کو ایسے ہی رہنے دیتے۔(۳۳)

يُجَاوِزُ شَعْرُهُ شَحْمَةَ أُذُنَيْهِ إِذَا هُوَ وَفَّرَهُ

جب آپ ﷺ کے بال وفرہ ہوتے تو کانوں کی لَو سے تجاوز نہ کرتے۔(۳۴)

۳۱۔ قواعدِ لغت کے مطابق (أَطْوَلَ) (أَقْصَرَ) اور (عَظِيْمَ) وغیرہ (كَانَ) کی خبر بھی سمجھے جاسکتے ہیں اور مبتداے محذوف کی اخبار بھی، اول صورت میں یہ الفاظ منصوب ہوں گے یعنی ان کے آخری حرف پر زبر آئے گا اور دوسری صورت میں یہ مرفوع ہوں گے یعنی آخری حرف پر پیش آئے گا۔ چنانچہ بعض کتابوں میں یہ الفاظ منصوب آئے ہیں اور بعض میں مرفوع۔ بعض اوقات ایک ہی لفظ ایک کتاب میں منصوب ہوتا ہے اور دوسری میں وہ مرفوع۔ ہم نے اعراب کے معاملے میں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح خصائل نبوی ﷺ کے متن کی پیروی کی ہے۔

۳۲۔ عبداللہ بن سعید الحضرمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بڑا سر، قُوائے ذہنی کے کمال اور سرداری کی نشانی ہوا کرتا ہے۔ (منتهى السؤال)

۳۳۔ آپ ﷺ کا خود مانگ نکالنا بھی روایات سے ثابت ہے، اس لیے اس جملے کی یہ توجیہ کی گئی ہے کہ جب مانگ نکالنے کی سہولت موجود نہ ہوتی تو نہ نکالتے بعد میں نکال لیتے۔

۳۴۔ کانوں کی لو تک پہنچنے والے بال وفرہ، کندھوں پر پڑے بال جمہ اور وہ بال جو وفرہ سے تو بڑے ہوں لیکن جمہ سے چھوٹے ہوں لمہ کہلاتے ہیں۔ روایات کے مطابق مختلف اوقات میں آپ ﷺ کے لیے تینوں قسم کی زلفوں کا ثبوت ملتا ہے۔ اس کی ایک توجیہ یہ کی گئی ہے کہ اطراف کے بال تو کانوں کی لو تک پہنچتے تھے اور پیچھے کے بال کندھوں تک۔

أَزْهَرَ اللَّوْنِ وَاسِعَ الْجَبِيْنِ

آپ ﷺ صاف شفاف رنگت کے حامل تھے۔ جبینِ مقدس فراخ وکشادہ تھی۔

أَزَجَّ الْحَوَاجِبِ سَوَابِغَ فِيْ غَيْرِ قَرَنٍ

ابرو باریک، خَم دار اور بھرپور تھے لیکن آپس میں ملے ہوئے نہیں تھے۔

بَيْنَهُمَا عِرْقٌ يُدِرُّهُ الْغَضَبُ

ان کے درمیان ایک رگ مبارک تھی جو غصے کے وقت ابھر کر سامنے آتی تھی۔[۳۵]

أَقْنَى الْعِرْنَيْنِ لَهُ نُورٌ يَعْلُوهُ

ناک مبارک باریک، لمبی اور درمیان میں سے محدب تھی اور اس پر ایک نور نظر آتا تھا۔[۳۶]

۳۵۔ یہ آپ ﷺ کی شجاعت اور قوتِ غضب کی شدت ہے لیکن اس کے ساتھ آپ ﷺ کو کمالِ ضبط بھی حاصل تھا۔

۳۶۔ (يَعْلُوهُ) کی ضمیر ناک کی طرف بھی راجع ہو سکتی ہے اور آپ کی ذات کی طرف بھی۔ یعنی آپ کی ناک کے اوپر، پیشانی میں روشنی چھائی رہتی یا آپ کے سر کے اوپر نور کا ایک ہالہ سا رہتا۔ بہرحال یہ نور اتنا ہلکا ہوتا کہ غور سے نہ دیکھنے والے آپ کی ناک یا قامت کو بلند سمجھتے اور بغور دیکھنے سے وہ نور دکھتا۔ (منتهى السؤال وفيض القدير) کچھ کتابوں میں یہ روایت نقل کی جاتی ہے کہ بعض اوقات معجزانہ طور پر آپ ﷺ کا یہ نور اتنا زیادہ ہوا کہ اس کی روشنی میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رات کے وقت سوئی ڈھونڈ لی۔ اس طرح کی روایت اسماعیل الاصبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل النبوۃ میں اور ابنِ عساکر نے تاریخِ دمشق میں بیان کی ہے۔ ابنِ منظور افریقی رحمۃ اللہ علیہ نے مختصر تاریخِ دمشق میں اس روایت کو برقرار رکھا۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ابنِ عساکر کے حوالے سے الخصائص الکبریٰ میں یہ روایت نقل کی ہے۔ البتہ شیخ عبد اللہ التلیدی رحمۃ اللہ علیہ نے تہذیبُ خصائصِ الکبریٰ میں اس روایت کو حذف کیا ہے اور مقدمے کے صفحہ ۱۵ پر اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔ ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرحُ الشفاء، اور علامہ محمد بن یوسف الشامی رحمۃ اللہ علیہ نے سبلُ الہدیٰ و الرَّشاد میں اس روایت پر اعتبار کیا ہے۔ نیز امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے الجامع الکبیر میں نقل کیا۔ علمائے جامعہ ازہر کی لَجنہ نے اس روایت کو الجامع الکبیر کی ترتیب و تحقیق میں موضوع قرار نہیں دیا۔ نبیِ کریم ﷺ کے دیگر معجزات مثلاً پیدائش کے موقعے پر شام کے محلات کو روشن کر دینے والے نور، اور آپ ﷺ کی انگلیوں سے نکلنے والے پانی سے تقریباً تین سو اشخاص کے وضو کر لینے کے سامنے، آپ ﷺ کے چہرے کی روشنی میں سوئی کا نظر=

يَحْسَبُهُ مَنْ لَمْ يَتَأَمَّلْهُ أَشَمَّ

جس نے غور سے نہ دیکھا ہو وہ اسے ابھرا ہوا سمجھتا تھا۔

كَثَّ اللِّحْيَةِ[37] سَهْلَ الْخَدَّيْنِ

ریشِ مقدس گھنی (اور بڑی) تھی۔ رخسار شریف ہموار تھے۔

ضَلِيْعَ الْفَمِ، مُفَلَّجَ الْأَسْنَانِ

دہن مبارک کشادہ تھا۔ دانت مبارک کھلے اور کشادہ تھے۔

أَكْحَلُ الْعَيْنَيْنِ وَلَيْسَ بِأَكْحَل[38] أَدْعَجُ الْعَيْنَيْنِ أَهْدَبُ الْأَشْفَارِ[39]

آنکھیں سرمے کے بغیر بھی سرمگیں تھیں۔ آنکھیں خوب سیاہ اور پلکیں گھنی اور لمبی تھیں۔

دَقِيْقُ الْمَسْرُبَةِ

سینے کے درمیان سے لے کر ناف تک بالوں کی ایک باریک لکیر سی تھی۔

= آجانا ایک چھوٹی چیز ہے۔ اس لیے اس واقعے کا سختی سے انکار کرنا مناسب نہیں ہے۔ البتہ یہ معلوم رہنا چاہیے کہ ممکن الوقوع ہونے کے باوجود یہ واقعہ ایک ہی کمزور سند سے مروی ہے جس سے اس واقعے کا یقینی علم حاصل نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم بالصواب

[37]۔ مسندِ احمد میں ہے: عَظِيْمَ اللِّحْيَةِ "آپ کی داڑھی بڑی تھی"۔ ایک روایت میں ہے: قَدْ مَلَأَتْ لِحْيَتُهُ مِنْ لَدُنْ هٰذِهِ إِلٰى هٰذِهِ وَأَشَارَ بِيَدِهِ إِلٰى صُدغَيْهِ حَتّٰى كَادَتْ تَمْلَأُ نَحْرَهُ "آپ کی داڑھی نحر تک پہنچتی تھی اور راوی نے ہاتھ کے ساتھ کنپٹیوں سے نحر تک اشارہ بھی کیا"۔ (مسندِ احمد) شیخ محمد صالح المُنَجِّد فرماتے ہیں: النَحْرُ هُوَ أَعْلَى الصَّدْرِ وَهُوَ يَدُلُّ عَلٰى اعْتِدَالِ طُوْلِهَا وَ تَوَسُّطِهِ "نحر سینے کے اوپر والے حصے کو کہتے ہیں اور اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ریش مبارک اعتدال کے ساتھ لمبی تھی"۔

[38]- الشمائل المحمدية للترمذي عن جابر بن سمرة رضي الله عنه-

[39]- الشمائل المحمدية للترمذي عن علي بن أبي طالب رضي الله عنه-

كَأَنَّ عُنُقَهُ جِيْدُ دُمْيَةٍ فِي صَفَاءِ الْفِضَّةِ

آپ ﷺ کی گردن مبارک گویا ہاتھی دانت سے ڈھلی ہوئی مورتی کی گردن تھی اور چاندی کی طرح سفید وصاف تھی۔

مُعْتَدِلُ الْخَلْقِ، بَادِنٌ مُتَمَاسِكٌ

آپ ﷺ کے تمام ہی اعضا متناسب تھے۔ آپ ﷺ مضبوط اور گھٹے ہوئے جسم کے مالک تھے۔

سَوَاءُ الْبَطْنِ وَالصَّدْرِ، عَرِيْضُ الصَّدْرِ

سینہ اور پیٹ برابر اور ہموار تھے، سینہ مبارک کشادہ اور عریض تھا۔

بَعِيْدُ مَا بَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ، بَيْنَ كَتِفَيْهِ خَاتَمُ النُّبُوَّةِ[۴۰]

دونوں کندھوں کے درمیان فاصلہ تھا (یعنی چوڑے چکلے شانوں کے مالک تھے)۔ اور کندھوں کے درمیان مہرِ نبوت تھی۔

ضَخْمُ الْكَرَادِيْسِ، أَنْوَرُ الْمُتَجَرَّدِ

جوڑوں کی ہڈیاں بڑی اور پُرگوشت تھیں۔ جسم کے جس حصے سے کپڑا اٹھتا وہ چمکتا تھا۔

مَوْصُولُ مَابَيْنَ اللَّبَّةِ وَالسُّرَّةِ بِشَعْرٍ يَجْرِي كَالْخَطِّ

سینے کے اوپر سے ناف تک بالوں کی باریک لکیر ناف سے جاملتی تھی۔

عَارِيُ الثَّدْيَيْنِ وَالْبَطْنِ مِمَّا سِوٰى ذٰلِكَ

دونوں چھاتیاں اور بطن شریف اس لکیر کے علاوہ مزید بالوں سے صاف تھے۔

أَشْعَرُ الذِّرَاعَيْنِ وَالْمَنْكِبَيْنِ وَأَعَالِي الصَّدْرِ

البتہ بازوؤں (کہنی سے کلائی تک)، کندھوں اور سینے کے بالائی حصے پر بال موجود تھے۔

---

[۴۰] ۔ مہرِ نبوت کبوتر کے انڈے کے برابر ابھرا ہوا گوشت تھا اور اوپر بال تھے۔ تورات میں یہ آپ کی نشانی کے طور پر مذکور تھی۔ سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے قبولیتِ اسلام کے موقعے پر اسے تقاضا کر کے دیکھا تھا۔

طَوِيلُ الزَّنْدَيْنِ، رَحْبُ الرَّاحَةِ

کلائیاں لمبی تھیں، ہتھیلیاں کشادہ تھیں۔[41]

شَثْنُ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ

ہاتھ اور پیر بڑے اور پُر گوشت تھے[42]

---

[41]۔ کہا جاتا ہے کہ کشادہ ہتھیلیاں سخاوت کی علامت ہیں۔

[42]۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی کوئی ریشم و دیباج بھی ایسا نہیں چھوا جو آپ ﷺ کے ہاتھ سے نرم ہوتا اور میں نے کوئی مشک و عنبر بھی آپ کی یا آپ کے پسینے کی خوشبو سے زیادہ عمدہ نہیں پایا۔ (صحیح بخاری) حضرت ابوجُحَیْفَة رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو دیکھا وہ آپ ﷺ کا ہاتھ لے کر اپنے چہرے پر پھیر رہے تھے۔ پس میں نے بھی آپ ﷺ کا دست اقدس پکڑ کر اسے چہرے پر رکھا تو وہ برف سے زیادہ ٹھنڈا اور خوشبو میں مشک سے بھی بڑھ کر تھا۔ (صحیح بخاری) آپ ﷺ کے بدنِ اطہر اور پسینے مبارک میں مخصوص خوشبو ہوا کرتی تھی۔ (صحیح مسلم) آپ ﷺ کے لعاب کی برکت سے کنویں کے پانی کا خوشبودار ہو جانا مسندِ احمد میں مذکور ہے۔ ایک بار آپ نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر کے کنویں میں کلی فرمائی۔ راوی کہتے ہیں کہ مدینے میں کوئی پانی اس سے زیادہ میٹھا نہ تھا۔ (الشفاء) ایک دلہن کو آپ کے پسینے کی خوشبو کے ذریعے معطر کرنے کا واقعہ بھی موجود ہے۔ (فتح الباری بحوالہ المعجم الکبیر) ایک صحابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنے ساتھ چمٹایا تو آپ کی بغل کا پسینہ میرے جسم کے ساتھ لگ گیا تو اس میں سے مشک کی سی خوشبو آ رہی تھی۔ (سننِ دارمی) سیدہ ام سُلیم رضی اللہ عنہا نے نبیِ اکرم ﷺ کا کچھ پسینہ ایک شیشی میں جمع کر لیا اور فرمایا کہ میں اسے اپنے گھر کی خوشبو میں ملاؤں گی کیوں کہ یہ بہترین خوشبو ہے۔ اور میں اسے اپنی اولاد کے لیے برکت کا ذریعہ بناؤں گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم نے ٹھیک کیا“۔ (صحیح مسلم) بخاری شریف کی کتاب الجہاد میں یہ واقعہ ذکر ہے کہ جب نبیِ اکرم ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو فتحِ خیبر کا جھنڈا عطا کیا تو آپ رضی اللہ عنہ کی آنکھیں خراب تھیں، تب آپ ﷺ نے اپنے لعابِ دہن سے ان کا علاج کیا: فَبَصَقَ فِيْ عَيْنَيْهِ فَبَرَأَ مَكَانَهُ حَتّٰى كَأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ بِهِ شَيْءٌ ”پس آپ ﷺ نے ان کی آنکھوں پر لعاب لگایا تو وہ اسی جگہ اس طرح ٹھیک ہو گئیں گویا کبھی ان میں کوئی بیماری تھی ہی نہیں“۔ اور مسلم شریف کی کتاب الفضائل میں ہے: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز پڑھ لیتے تو اہلِ مدینہ کے خادم ہاتھوں میں پانی کے برتن لیے حاضر ہوتے اور نبیِ کریم ﷺ (برکت کے لیے) اپنے ہاتھ اس پانی میں ڈبو دیتے اور بعض اوقات وہ سردی والی صبح میں آتے تو پھر بھی آپ ﷺ اپنا ہاتھ ڈال دیتے۔ سیدنا ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبیِ کریم ﷺ کے ساتھ =

= تھا، جب آپ مکہ اور مدینہ کے درمیان جِعرانہ نامی جگہ پر رکے ہوئے تھے۔ ایک بدو آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: کیا آپ میرے ساتھ کیے گئے وعدے کو پورا کریں گے ؟ آپ ﷺ نے اس سے کہا: "تجھے بشارت ہے"۔ اس نے کہا: آپ نے بشارتیں تو بہت دی ہیں۔ آپ ﷺ غصے کی کیفیت میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: "اس نے تو بشارت کو ٹھکرا دیا، تم دونوں قبول کر لو"۔ ان دونوں نے کہا: ہم قبول کرتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے پانی کا ایک پیالہ منگوایا اور اس میں اپنے ہاتھ اور چہرہ مبارک دھویا اور اس پیالے میں کلی فرمائی پھر فرمایا: "اس میں سے پی لو اور کچھ پانی اپنے چہروں اور گردنوں پر مل لو اور خوش ہو جاؤ"۔ پردے کے پیچھے سے ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آواز دی کہ کچھ اپنی ماں کے لیے بھی بچا لینا۔ (صحیح بخاری) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے، میں بیمار اور ہوش وحواس سے عاری (بے ہوش) تھا، پس آپ ﷺ نے وضو فرمایا اور لوگوں نے آپ کے وضو کا پانی مجھ پہ ڈالا تو میں ہوش میں آ گیا۔ (صحیح بخاری) حضرت سہل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک خاتون آپ ﷺ کی خدمت میں ایک چادر لائیں۔ آپ کو اس کی ضرورت بھی تھی، آپ نے وہ پہن لی، ایک شخص نے اٹھ کر کہا: یارسول اللہ! اچھی ہے، یہ مجھے عطا کر دیں۔ آپ ﷺ نے وہ چادر اسے دے دی۔ لوگوں نے اسے ملامت کی کہ آپ ﷺ اس چادر کے ضرورت مند تھے پھر بھی تم نے مانگ لی۔ اس نے کہا کہ میں نے تو اس برکت کی وجہ سے مانگی جو آپ ﷺ کے پہننے سے اس میں آگئی تھی، کیا پتا یہ چادر میرا کفن ہی بن جائے۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: واقعی وہی چادر اس کا کفن بنی تھی۔ (صحیح بخاری) بنو الْبَكَّاء کے وفد میں شامل سوسالہ، معاویہ بن ثور رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے عرض کیا: إِنِّي أَتَبَرَّكُ بِمَسِّكَ وَقَدْ كَبُرْتُ وَابْنِي هَذَا بَرٌّ بِي فَامْسَحْ وَجْهَهُ "میں آپ کو چھو کر تبرک حاصل کروں گا میں بوڑھا ہوں، اور میرا یہ بیٹا میرے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے، آپ اس کے چہرے پر ہاتھ پھیر دیں"۔ حضور ﷺ نے ایسا کیا اور ان کو دعا دی اور کچھ تحفہ دیا۔ راوی کہتے ہیں کبھی ہمارے قبیلے میں قحط بھی پڑتا تو یہ باپ بیٹا محفوظ رہتے۔ (طبقاتِ ابنِ سعد) سیدہ امِ سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آپ ﷺ کے کچھ رنگے ہوئے بال محفوظ تھے۔ جس کسی کو نظرِ بد یا کوئی اور بیماری لاحق ہوتی، وہ ایک پیالے میں پانی ڈال کر آپ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجتا۔ آپ اس پیالے میں بال مبارک کو غسل دے کر واپس کرتیں اور بیمار اسے پی کر اس کی برکت سے شفایاب ہوتا۔ (صحیح بخاری) نبیِ اکرم ﷺ کا ایک جبہ جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ رہا اور ان کے بعد سیدہ اسما بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کے پاس آیا، آپ بعض صحابہٴ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ جبہ دکھاتے ہوئے کہتی ہیں: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَلْبَسُهَا فَنَحْنُ نَغْسِلُهَا لِلْمَرْضَى يُسْتَشْفَى بِهَا (صحیح مسلم) "نبی ﷺ اسے پہنا کرتے تھے، پس ہم اسے مریضوں کے لیے دھوتے ہیں اور اس پانی سے شفایابی کرتے ہیں"۔ معروف تابعی حضرت ثابت البنانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اپنی زندگی کے =

سَائِلُ الْأَطْرَافِ أَوْ قَالَ شَائِلُ الْأَطْرَافِ

انگلیاں لمبی تھیں۔

خُمْصَانُ الْأَخْمَصَيْنِ

پاؤں کے تلوے درمیان میں سے قدرے گہرے تھے۔

مَسِيحُ الْقَدَمَيْنِ، يَنْبُو عَنْهُمَا الْمَاءُ

قدم ہموار اور اتنے ملائم تھے کہ پانی تیزی سے پھسل جائے۔

إِذَا زَالَ زَالَ قَلْعًا[۴۳]

چلتے تو قوت کے ساتھ پاؤں اٹھاتے ہوئے چلتے۔[۴۴]

=آخری لمحات میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا: یہ رسول اللہ ﷺ کے بالوں میں سے کچھ بال ہیں، انھیں میری زبان کے نیچے رکھ دو، پس میں نے وہ بال ان کی زبان کے نیچے رکھ دیے (اسی حال میں انھوں نے انتقال کیا) اور جب انھیں دفن کیا گیا تو وہ بال آپ کی زبان کے نیچے ہی تھے۔ (الإصابة في تمييز الصحابة) آپ کے پاس رسول اللہ ﷺ کے زیرِ استعمال رہنے والی ایک چھوٹی سی چھڑی تھی۔ جب وہ قریب المرگ تھے تو انھوں نے اس چھڑی کو اپنے ساتھ دفنانے کا حکم دیا۔ پس وہ چھڑی اس طرح دفن کی گئی کہ وہ آپ کے جسم اور کفن کے درمیان تھی۔ (أسد الغابة) ابراہیم بن عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ منبر پر آپ ﷺ کے بیٹھنے کی جگہ پہ ہاتھ پھیرتے اور پھر اپنے ہاتھ کو اپنے چہرے سے لگاتے۔ (طبقاتِ ابنِ سعد) جنگ یرموک میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی کُلاہ گر گئی۔ آپ نے حکم دیا کہ اسے ڈھونڈا جائے، جب اسے ڈھونڈ لیا گیا تو وہ ایک پرانی سی ٹوپی تھی۔ اس پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے تفصیل بتاتے ہوئے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے عمرہ کیا اور اپنا سر منڈوایا، لوگ آپ کے بال جمع کرنے کے لیے لپکنے لگے، میں نے جلدی سے آپ کی پیشانی مبارک کے بال اٹھا لیے اور انھیں اپنی اس ٹوپی میں لگا لیا۔ پس میں نے جس لڑائی میں شرکت کی اور یہ بال میرے پاس ہوئے تو مجھے اللہ کی طرف سے مدد دی گئی۔ (مستدرکِ حاکم، مجمع الزوائد)

[۴۳]۔ (قُلْعًا و قَلِعًا) بھی وارد ہوا ہے۔ (جمع الوسائل)

[۴۴]۔ پیچھے آپ کی خوبصورتی کا بیان تھا جس میں آپ ﷺ کی پیروی ممکن نہ تھی۔ اب آپ ﷺ کی عادات کا بیان شروع=

يَخْطُو تكَفِّيًا وَيَمْشِي هَوْنًا، ذَرِيعُ الْمِشْيَةِ

پاؤں جما کر نرمی اور وقار کے ساتھ چلتے، لمبے قدموں کے ساتھ تیزی سے چلتے۔

إِذَا مَشَى كَأَنَّما يَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ

جب چلتے تو یوں محسوس ہوتا جیسے کسی بلند جگہ سے اتر رہے ہیں۔

وَإِذَا الْتَفَتَ الْتَفَتَ جَمِيعًا

جب کسی کی طرف مڑتے تو پورے جسم کے ساتھ مڑتے (صرف گردن گھما کر نہ دیکھتے)۔

خَافِضُ الطَّرْفِ

نظروں کو جھکائے رکھتے تھے۔

نَظَرُهُ إِلَى الْأَرْضِ أَطْوَلُ مِنْ نَظَرِهِ إِلَى السَّمَاءِ

آپ کی نظر آسمان سے زیادہ زمین کی طرف رہا کرتی تھی۔[۴۵]

جُلُّ نَظَرِهِ الْمُلَاحَظَةُ

عموماً گوشۂ چشم سے دیکھتے۔[۴۶]

= ہو رہا ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ممکن بلکہ مستحب ہے۔

۴۵۔ بعض روایات میں اکثر آسمان کی طرف دیکھنے کا ذکر ملتا ہے۔ ان میں تطبیق یہ بیان کی گئی ہے کہ گفتگو کے دوران آسمان کی طرف اور خاموشی کے اوقات میں زمین کی طرف دیکھتے تھے اور یہ بھی کہ آسمان کی طرف دیکھنا اس وقت ہوتا تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی معاملے میں وحی کا انتظار ہوتا تھا: ﴿قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ (البقرۃ:۱۴۴) "(اے پیغمبر!) ہم تمھارے چہرے کو بار بار آسمان کی طرف اٹھتے ہوئے دیکھ رہے ہیں، چنانچہ ہم تمھارا رخ ضرور اس قبلے کی طرف پھیر دیں گے جو تمھیں پسند ہے، لو اب اپنا رخ مسجد حرام کی سمت کر لو"۔

۴۶۔ مراد یہ ہے کہ آپ دنیا کی چیزوں کو سرسری نظر سے دیکھا کرتے تھے اور یہ حکمِ خداوندی کی پیروی میں تھا: ﴿لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ﴾ (الحجر:۸۸) "اور تم اُن چیزوں کی طرف ہرگز آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھو جو ہم نے =

يَسُوقُ أَصْحَابَهُ وَيَبْدَأُ مَنْ لَقِيَ بِالسَّلَامِ''

اپنے ساتھیوں کو اپنے آگے چلایا کرتے تھے۔ (۴۷)

اور راستے میں جو ملتا اسے سلام کرنے میں پہل فرماتے تھے''۔ (۴۸)

نبیِ اکرم ﷺ کا اندازِ گفتگو

قَالَ قُلْتُ: ''صِفْ لِيْ مَنْطِقَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے اپنے ماموں سے کہا کہ حضورِ اقدس ﷺ کی گفتگو کی کیفیت مجھ سے بیان فرمائیے۔

قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مُتَوَاصِلَ الْأَحْزَانِ

توانھوں نے یوں بتایا: آپ ﷺ اکثر غمگین رہتے تھے۔ (۴۹)

=اِن (کافروں) میں سے مختلف لوگوں کو مزے اُڑانے کے لیے دے رکھی ہیں''۔ دنیا پر سرسری نظر حُبِ دنیا کے نہ ہونے کی علامت بلکہ دنیا کی محبت کو کم کرنے کا ذریعہ بھی ہے جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے القول الجمیل میں ''نظر بر قدم'' کے الفاظ سے اس طرزِ عمل کو مشائخِ صوفیا کے ایک مرحلۂ سلوک کے طور پر بیان کیا ہے۔

۴۷۔ آگے چلانا ساتھیوں پر شفقت و نگرانی اور تواضع کا مظہر تھا۔ کسی بزرگ کے پیچھے چلنا جائز اور ان کا ادب ہے لیکن بزرگ کو اس کی خواہش نہیں کرنی چاہیے بلکہ لوگوں کو روکنا چاہیے۔ لوگ آپ ﷺ کے پیچھے چلتے۔ جب آپ ﷺ کو احساس ہوتا تو بیٹھ جاتے اور لوگوں کو آگے کر کے روانہ ہوتے تاکہ دل میں تکبر نہ آئے (سننِ ابنِ ماجہ)، اور فرماتے: «اُمْضُوا أَمَامِي وَخَلُّوا ظَهْرِي لِلْمَلَائِكَةِ» (سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: ۱۵۵۷) ''میرے آگے چلا کرو اور میری پشت کو فرشتوں کے لیے خالی چھوڑ دیا کرو''۔

۴۸۔ الْبَادِئُ بِالسَّلَامِ بَرِيءٌ مِنَ الْكِبْرِ (شعب الایمان) ''سلام میں ابتدا کرنے والا تکبر سے محفوظ رہتا ہے''۔

۴۹۔ سوال گفتگو کے بارے میں تھا لیکن جواب آپ کی خاموشی سے شروع کیا گیا، یہ اندازِ محبت ہے کہ انسان محبوب کا زیادہ سے زیادہ ذکر کرنا چاہتا ہے۔ حزن سے وہ رنج و ملال مراد نہیں ہے جو دنیا میں کسی پسندیدہ چیز کے چھن جانے اور ناگوار چیز کے ملنے پر ہوتا ہے۔ اس سے تو روکا گیا ہے اور نبیِ اکرم ﷺ اس سے بچنے کی دعا بھی مانگا کرتے تھے۔ حزن سے مراد وہ فکرمندی ہے جو مستقبل کے=

دَائِمَ الْفِكْرَةِ

ہر وقت سوچ و بچار اور تفکر میں مشغول رہتے، (۵۰)

= بڑے بڑے امور کے اہتمام اور بالخصوص آخرت کے احوال اور خوفناکی کے خیال کی وجہ سے ہوتی ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ آپ ﷺ امت کے غم کی وجہ سے غمگین رہا کرتے تھے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ غم آپ پر پے در پے آیا کرتے تھے۔ مثلاً بچپن میں یتیم ہو جانا، عین مشکل دور میں جناب ابوطالب اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال، مشرکین کی طرف سے صاحبزادیوں کو قبلِ رخصتی طلاق دلوانا، بیٹوں کا انتقال اور اس پر دشمنوں کا شادیانے بجانا، زبانی اور بعض اوقات جسمانی تشدد وغیرہ۔ اپنے پیاروں کو آزمانا اللہ کی سنت ہے۔ دنیا میں دکھ درد آتے رہتے ہیں اور یہ ابتلا حسبِ دین آتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ سب سے بڑی مشکلات کس کی ہوتی ہیں: فرمایا: «الأَنْبِيَاءُ ثُمَّ الأَمْثَلُ فَالأَمْثَلُ فَيُبْتَلَى الرَّجُلُ عَلَى حَسَبِ دِينِهِ، فَإِنْ كَانَ دِينُهُ صُلْبًا اشْتَدَّ بَلَاؤُهُ، وَإِنْ كَانَ فِي دِينِهِ رِقَّةٌ ابْتُلِيَ عَلَى حَسَبِ دِينِهِ فَمَا يَبْرَحُ الْبَلَاءُ بِالْعَبْدِ حَتَّى يَتْرُكَهُ يَمْشِي عَلَى الأَرْضِ مَا عَلَيْهِ خَطِيئَةٌ» (سننِ ترمذی) ”سب سے بڑی مشکلات انبیا کی ہوتی ہیں، پھر ان سے کم رتبے والوں کی، پھر ان سے کم رتبے والوں کی، اور پھر ان سے بعد والوں کی اور اللہ تعالی بندے کو اس کے دین کی مضبوطی کے حساب سے ہی آزماتا ہے۔ اگر اس کا دین مضبوط ہو تو آزمائش سخت کرتا ہے اور اگر دین داری ہلکی ہو تو آزمائش بھی ہلکی کرتا ہے، اور بندے پر مشکلات آتی رہتی ہیں یہاں تک کہ وہ زمین پر اس حال میں چلتا ہے کہ اس کے جسم پر کوئی گناہ باقی نہیں بچتا“۔ نیک لوگوں پر آزمائشیں درجات کی بلندی کے لیے ہوتی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا سَبَقَتْ لَهُ مِنَ اللهِ مَنْزِلَةٌ لَمْ يَبْلُغْهَا بِعَمَلِهِ، ابْتَلَاهُ اللهُ فِي جَسَدِهِ، أَوْ فِي مَالِهِ، أَوْ فِي وَلَدِهِ، ثُمَّ صَبَّرَهُ عَلَى ذَلِكَ حَتَّى يُبَلِّغَهُ الْمَنْزِلَةَ الَّتِي سَبَقَتْ لَهُ» (ابی داوٗد) ”جب اللہ تعالی کسی بندے کے لیے کسی درجے کا فیصلہ فرما دیتا ہے اور اگر وہ بندہ اس مقام کا حامل نہ ہو تو اس کے جسم، اس کی اولاد اور اس کے مال میں اسے آزما کر اسے صبر کی توفیق دیتا ہے یہاں تک کہ (اس صبر کی بدولت) وہ اس مقام پر پہنچ جاتا ہے“۔ گناہ گاروں کے لیے یہ آزمائش بخشش کا ذریعہ بنتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِذَا كَثُرَتْ ذُنُوبُ الْعَبْدِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ مَا يُكَفِّرُهَا ابْتَلَاهُ اللهُ بِالْحُزْنِ لِيُكَفِّرَهَا عَنْهُ» ”جب بندے کے گناہ زیادہ ہو جائیں اور کفارے کا کوئی راستہ نہ ہو تو اللہ اسے دکھوں سے آزماتا ہے تاکہ اس کے گناہ معاف کر دے“۔ (مسندِ احمد) ذہن میں رکھنا چاہیے کہ ہمیں آزمائش طلب کرنے سے روکا گیا ہے اور عافیت مانگتے رہنے کی تلقین کی گئی ہے، البتہ اگر مانگے بغیر اللہ کی طرف سے آزمائش آجائے تو مندرجہ بالا اجر کی امید پر صبر کرنا چاہیے۔

۵۰۔ تفکر بندۂ مومن کی اہم صفت ہے۔ تفکر کا پہلا میدان آفاقی و انفسی نشانیوں میں غور و فکر ہے تاکہ معرفتِ رب کا=

لَيْسَتْ لَهُ رَاحَةٌ

آپ ﷺ کو بے فکری اور راحت میسر نہ تھی۔ (۵۱)

طَوِيلُ السَّكْتِ، لَا يَتَكَلَّمُ فِي غَيْرِ حَاجَةٍ

آپ ﷺ کی خاموشی لمبی ہوتی تھی، بلاضرورت گفتگو نہ فرماتے تھے۔ (۵۲)

= حصول ہو سکے۔ غور و فکر کا دوسرا میدان دعوتِ دین کے فروغ اور اقامتِ دین کی منصوبہ بندی پر مشتمل ہے۔

[۵۱] ۔ وجہ کارِ رسالت اور بندگیِ رب کی مصروفیت تھی۔ اور یہ مطلب بھی بیان کیا گیا کہ آپ ﷺ کی راحت دنیا میں نہیں بلکہ امورِ دینداری میں تھی، جیسا کہ حدیثِ مبارکہ: «قُمْ يَا بِلَالُ فَأَرِحْنَا بِالصَّلَاةِ» (ابوداوٗد) "اے بلال اٹھو اور ہمیں نماز (کی اذان یا اقامت) سے راحت پہنچاؤ"۔ اور «جُعِلَت قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ» (نسائی) "میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے"۔

[۵۲] ۔ تقلیلِ کلام شخصیت کی دینی تعمیر یا تزکیہ نفس میں بہت معاون ہے۔ اسی لیے صوفیاے کرام رحمۃ اللہ علیہم نے اپنے مجاہدات میں اسے شامل کیا ہے۔ یہ بہت اہم اصول ہے جو متعدّد احادیث سے ثابت ہے۔ جن میں سے چند پیش کی جاتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: «عَلَيْكَ بِطُولِ الصَّمْتِ، فَإِنَّهُ مَطْرَدَةٌ لِلشَّيْطَانِ، وَعَوْنٌ لَكَ عَلَى أَمْرِ دِينِكَ» (شعب الایمان) "لمبی خاموشی کو لازم پکڑو، کیوں کہ وہ شیطان کو دور کرنے والی اور دین کے کام میں معاون ہے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «لاَ تُكْثِرُوا الْكَلاَمَ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللهِ، فَإِنَّ كَثْرَةَ الْكَلاَمِ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللهِ قَسْوَةٌ لِلْقَلْبِ، وَإِنَّ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنَ اللهِ الْقَلْبُ الْقَاسِي» (سننِ ترمذی) "اللہ کے ذکر کے بغیر زیادہ کلام مت کرو، کیوں کہ ذکر اللہ کے بغیر کثرتِ کلام دل کی سختی کا باعث ہے اور سخت دلوں والے لوگ اللہ سے سب سے زیادہ دور ہوتے ہیں"۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مَنْ كَثُرَ كَلَامُهُ كَثُرَ سَقَطُهُ، وَمَنْ كَثُرَ سَقَطُهُ كَثُرَتْ ذُنُوبُهُ، وَمَنْ كَثُرَتْ ذُنُوبُهُ كَانَتِ النَّارُ أَوْلَى بِهِ (جامع العلوم والحکم بحوالہ المعجم الاوسط) "جو زیادہ باتیں کرے گا وہ زیادہ پھسلے گا اور جو جتنا زیادہ پھسلے گا اس کے اتنے ہی زیادہ گناہ ہوں گے اور جس کے گناہ زیادہ ہوں گے تو آگ اس کی زیادہ حق دار ہے"۔ حضرت عُقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے نبیِ اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ نجات کس میں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «أَمْسِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ» (سننِ ترمذی) "اپنی زبان کو روکے رکھو"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ» (متفق علیہ) "جو اللہ اور یومِ آخرت پر=

يَفْتَتِحُ الْكَلَامَ وَيَخْتِمُهُ بِأَشْدَاقِهِ

آپ ﷺ کی تمام گفتگو ابتدا سے انتہا تک پورے منھ سے ہوتی تھی۔[۵۳]

وَيَتَكَلَّمُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ

آپ ﷺ جامع کلمات کے ساتھ (جن کے الفاظ تھوڑے ہوں اور معانی زیادہ) کلام فرمایا کرتے تھے۔[۵۴]

كَلَامُهُ فَصْلٌ، لَا فُضُوْلَ وَلَا تَقْصِيْرَ

آپ ﷺ کی گفتگو واضح اور صاف ہوتی۔ نہ اس میں کوئی زیادتی ہوتی تھی اور نہ کوئی کمی کہ بات پوری طرح واضح نہ ہو۔

لَيْسَ بِالْجَافِي وَلَا الْمُهِينِ[۵۵]

آپ ﷺ نہ تو ظلم وزیادتی کرنے والے تھے اور نہ ہی دوسروں کی تذلیل کرنے والے تھے۔

=ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے نیکی کی بات کرے یا خاموش رہے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «مَن صَمَتَ نَجَا» (سننِ ترمذی) "جو خاموش رہا نجات پا گیا"۔

۵۳۔ مراد یہ ہے کہ ہونٹوں کی مکمل حرکت سے بات کرتے تھے۔ اس سے بات پوری سمجھ آتی ہے اور مغالطے کا خطرہ نہیں ہوتا۔ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بولنے سے بات صحیح سمجھ نہیں آتی اور اس طرح بات کرنا اہلِ رعونت (متکبر) کا طریقہ ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ پورے منھ سے بات کرنا آپ ﷺ کی فصاحت وبلاغت کے لیے بطور کنایہ استعمال ہوا ہے۔

۵۴۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "مجھے جامع کلمات عطا کیے گئے"۔ (مسندِ احمد) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "آپ ﷺ تمھاری طرح مسلسل رفتار سے نہیں بولا کرتے تھے بلکہ اس طرح ٹھہر ٹھہر کر بات کرتے تھے کہ کوئی الفاظ گننا چاہے تو گن سکتا تھا"۔ (صحیح بخاری) نیز یہ بھی بیان ہوا کہ نبیِ اکرم ﷺ جب بات کرتے تو تین دفعہ دہرایا کرتے تھے۔ شارحین نے لکھا ہے کہ جب آپ ﷺ کوئی دقیق مسئلہ سمجھا رہے ہوتے تو مخاطب کا لحاظ کر کے بات کو متعدّد بار سمجھاتے یا تعداد زیادہ ہوتی تو مختلف اطراف میں منھ کر کے بات کو دہرایا کرتے تھے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: إِذَا تَكَلَّمَ رُئِيَ كَالنُّوْرِ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ ثَنَايَاهُ (سننِ ترمذی) "جب آپ ﷺ بات کرتے تو آپ ﷺ کے سامنے والے دانتوں سے گویا نور نکلتا ہوا نظر آتا"۔

۵۵۔ مدرسین اور مربیین کو دوسروں کے جذبات کا خیال کرنا چاہیے اور ساتھیوں کی تذلیل سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اس لفظ کو (الْمَهِيْن) بھی پڑھا گیا ہے جو کردار کے ہلکے پن اور شخصیت کی کمزوری کے لیے آتا ہے۔

يُعَظِّمُ النِّعْمَةَ وَإِنْ دَقَّتْ، لَا يَذُمُّ مِنْهَا شَيْئًا

اللہ کی کوئی نعمت خواہ کتنی ہی تھوڑی ہو اس کو بہت بڑا سمجھتے تھے، اِس کو برا نہیں کہتے تھے۔[۵۶]

غَيْرَ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ يَذُمُّ ذَوَّاقًا وَلَا يَمْدَحُهُ

البتہ کھانے کی اشیا کی نہ تو برائی کرتے نہ ہی تعریف فرماتے تھے۔[۵۷]

وَلَا تُغْضِبُهُ الدُّنْيَا، وَلَا مَا كَانَ لَهَا

دنیا اور دنیوی اشیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض نہ کر سکتی تھیں۔

فَإِذَا تُعُدِّيَ الْحَقُّ لَمْ يَقُمْ لِغَضَبِهِ شَيْءٌ حَتَّى يَنْتَصِرَ لَهُ

البتہ جب حق سے تجاوز کیا جاتا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غصے کے آگے کوئی ٹھہر نہ سکتا تھا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُس حق کا انتقام (حق کے مطابق) نہ لے لیں۔[۵۸]

وَلَا يَغْضَبُ لِنَفْسِهِ، وَلَا يَنْتَصِرُ لَهَا

اپنی ذات کے لیے نہ کسی پر ناراض ہوتے تھے نہ اس کا انتقام لیتے تھے۔[۵۹]

إِذَا أَشَارَ أَشَارَ بِكَفِّهِ كُلِّهَا

جب کسی کی طرف اشارہ فرماتے تو پورے ہاتھ سے اشارہ فرماتے۔

---

[۵۶] ۔ اس سے نعمتِ خداوندی بھی مراد ہو سکتی ہے اور لوگوں کی طرف سے ملنے والا تحفہ وغیرہ بھی۔ تعظیمِ نعمت شکر گزاری کا رویہ ہے جو خالق و مخلوق دونوں کے ساتھ مطلوب ہے۔

[۵۷] ۔ کھانے کی تعریف سے چٹورپن (کھانے کا شوق) ظاہر ہوتا ہے۔ البتہ اہلِ خانہ کا یا کسی خانساماں یا میزبان کا دل رکھنے کے لیے اس کے پکانے کی تعریف کی جا سکتی ہے۔

[۵۸] ۔ حق سے مراد امورِ دین اور حدودِ شریعت ہیں۔ نیز ملاحظہ کریں حاشیہ نمبر: ۸۳۔

[۵۹] ۔ جدید مادی فکر یہ ہے کہ ذاتیات پر خوب لڑو اور اسے حقوق کے تحفظ کا نام دیا جاتا ہے البتہ دین کی خلاف ورزی پر صبر و برداشت اور رواداری کا درس دیا جاتا ہے اور ردِّعمل کو انتہا پسندی کا نام دیا جاتا ہے، جبکہ مزاجِ نبوی اور اسلامی تعلیم یہ ہے کہ ذاتیات میں معاف کرو اور دینِ حق کی حمایت میں سختی اور ردِّعمل ظاہر کرو۔ البتہ اس ردِّعمل میں بھی شریعت و سنت کا خیال رہے اور ظلم ہرگز نہ ہو۔

وَإِذَا تَعَجَّبَ قَلَبَهَا

جب کسی بات پر تعجب فرماتے تو ہاتھ کو پلٹ لیتے تھے۔(۶۰)

وَإِذَا تَحَدَّثَ اتَّصَلَ بِهَا

اور جب بات کرتے اسے ہاتھ کے ساتھ ملاتے (یعنی بات کے ساتھ ہاتھ بھی استعمال فرماتے)۔

وَضَرَبَ بِرَاحَتِهِ الْيُمْنَى بَطْنَ إِبْهَامِهِ الْيُسْرَى

اور کھلی داہنی ہتھیلی کو بائیں انگوٹھے کے اندرونی حصے پر مارتے۔(۶۱)

وَإِذَا غَضِبَ أَعْرَضَ وَأَشَاحَ

جب کسی پر ناراض ہوتے تو اس سے اعراض فرماتے اور اپنا رخِ انور پھیر لیا کرتے۔(۶۲)

وَإِذَا فَرِحَ غَضَّ طَرْفَهُ

جب خوش ہوتے تو آنکھیں جھکا لیتے تھے۔(۶۳)

جُلُّ ضَحِكِهِ التَّبَسُّمُ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر ہنسی تبسّم کی حد تک ہوتی تھی۔(۶۴)

۶۰۔ ہتھیلی آسمان کی طرف کرنا مراد ہے۔ اس میں تعجب اور رضائے رب کی طرف اشارہ ہے۔

۶۱۔ الشفاء میں ہے: ضَرَبَ بِإِبْهَامِهِ الْيُمْنَى رَاحَتَهُ الْيُسْرَى ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کو بائیں ہتھیلی پر مارتے تھے''۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل دونوں طرح سے تھا۔

۶۲۔ تنبیہ کا یہ بہت لطیف انداز ہے کہ زبان سے ڈانٹنے کے بجائے تاثرات کے ذریعے اظہارِ ناپسندیدگی کر دیا جائے۔ مربی حضرات کے لیے اس میں خاص رہنمائی ہے۔

۶۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آنکھیں جھکانا تواضع کے اظہار کی وجہ سے تھا۔

۶۴۔ آپ زیادہ ہنسنے کو ناپسند کرتے اور فرماتے زیادہ ہنسنے سے بچو کہ یہ دل کو مردہ کر دیتا ہے۔ (سننِ ترمذی) اسی لیے آپ کی ہنسی بہت کم تھی، البتہ مسکرایا کرتے تھے۔ (مسندِ احمد) اور مسکراہٹ اس قدر زیادہ تھی کہ حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مسکرانے والا کوئی نہیں دیکھا''۔ (سننِ ترمذی) حضرت ابنِ جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں =

يَفْتَرُّ عَنْ مِثْلِ حَبِّ الْغَمَامِ''۔

اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اولے کی طرح چمکدار سفید دندانِ مبارک دکھائی دیتے تھے"۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیمِ اوقات

قَالَ الْحَسَنُ: ''فَكَتَمْتُهَا الْحُسَيْنَ زَمَانًا

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ خبر (یعنی مندرجہ بالا روایت) ایک عرصہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے چھپائے رکھی۔

ثُمَّ حَدَّثْتُهُ فَوَجَدْتُهُ قَدْ سَبَقَنِي إِلَيْهِ

پھر ایک دن میں نے یہ حدیث سنائی تو مجھے اندازہ ہوا کہ وہ یہ سب کچھ پہلے ہی جانتے ہیں۔

فَسَئَلَهُ عَمَّا سَئَلْتُهُ عَنْهُ

اور انھوں نے ان سے وہ کچھ پوچھ رکھا ہے جو میں نے پوچھ رکھا تھا۔

وَوَجَدْتُهُ قَدْ سَئَلَ أَبَاهُ عَنْ مَدْخَلِهِ وَمَخْرَجِهِ وَشَكْلِهِ فَلَمْ يَدَعْ مِنْهُ شَيْئًا

نیز مجھے پتا چلا کہ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں داخل ہونے، باہر تشریف لے جانے اور شکل و صورت کے بارے میں مزید بھی بہت کچھ والدِ محترم (حضرت علی رضی اللہ عنہ) سے پوچھ رکھا ہے، اور ان میں سے کچھ نہیں چھوڑا۔ (تو میں نے ارادہ کیا کہ ان سے یہ سب پوچھ کر رہوں گا۔ پس پھر میرے پوچھنے پر) حضرت حسین رضی اللہ عنہ یوں گویا ہوئے:

= جب سے مسلمان ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ملاقات سے نہیں روکا اور جب بھی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دیکھ کر مسکرائے ضرور"۔ (صحیح بخاری) سیدہ امِ درداء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ابو درداء رضی اللہ عنہ جب بھی حدیث بیان کرتے مسکرا کر بیان کرتے، میں نے عرض کیا: ایسا نہ کیا کریں مبادا لوگ آپ کو احمق سمجھنا شروع کر دیں؟ فرمانے لگے: مَا رَأَيْتُ، أَوْ مَا سَمِعْتُ، رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُحَدِّثُ حَدِيثًا إِلَّا تَبَسَّمَ (مسندِ احمد) "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا یا سنا مگر جب بھی کوئی حدیث (دینی بات) بیان کرتے تو مسکرا کر بیان کرتے"۔ مدرسین اور مربی حضرات کے لیے یہ ایک لائقِ اقتدا امر ہے۔

قَالَ الْحُسَيْنُ: سَئَلْتُ أَبِيْ عَنْ دُخُولِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ :

میں نے اپنے والد سے نبیِ اکرم ﷺ کے اپنے گھر تشریف رکھنے کے حالات دریافت کیے تو انھوں نے فرمایا:

كَانَ إِذَا أَوٰى إِلَى مَنْزِلِهٖ جَزَّأَ دُخُوْلَهُ ثَلَاثَةَ أَجْزَاءٍ

حضورِ اقدس ﷺ اپنے گھر میں تشریف رکھنے کے وقت کو تین حصوں میں تقسیم فرماتے تھے۔

جُزْأً لِلّٰهِ، وَجُزْأً لِأَهْلِهٖ، وَجُزْأً لِنَفْسِه

ایک حصہ حق تعالیٰ شانہ کے لیے مختص کرتے، ایک حصہ گھر والوں کے لیے اور ایک حصہ خود اپنے لیے مختص فرماتے۔[65]

ثُمَّ جَزَّأَ جُزْأَهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّاسِ

پھر اس اپنے والے حصے کو بھی اپنے اور لوگوں کے درمیان تقسیم فرمادیتے۔[66]

فَيَرُدُّ ذٰلِکَ بِالْخَاصَّةِ عَلَى الْعَامَّةِ

خواص کے ذریعے اس وقت کو عوام پر خرچ کرتے۔[67]

65۔ اللہ کے وقت میں عبادت اور ذکر و مناجات میں مشغول رہتے، گھر والوں کے وقت میں ان کی ضروریات اور دل لگی کا سامان کرتے اور گھر کا کام بھی کر دیتے یہاں تک کہ آٹا بھی گوندھ دیتے اور کبھی بکری کا دودھ بھی نکال دیتے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ آپ ﷺ گھر میں کیا کرتے تھے؟ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: كَانَ يَكُونُ فِي مِهْنَةِ أَهْلِهِ –تَعْنِي خِدْمَةَ أَهْلِهِ– فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ (صحیح بخاری) ''آپ ﷺ گھر والوں کے کام کاج کیا کرتے البتہ جب نماز کا وقت ہو جاتا تو باہر تشریف لے جاتے تھے''۔ اپنے وقت میں ذاتی کام یعنی غسل و صفائی یا جوتے کی مرمت وغیرہ جیسے کام کرتے اور اس میں کچھ عار محسوس نہیں کرتے تھے۔ اس تقسیمِ سہ گانہ اور بیان کردہ امور پر اہلِ دین کو خاص توجہ کی ضرورت ہے۔

66۔ یعنی اگر دوسروں کو وقت زیادہ دینا پڑ گیا تو نہ تو اللہ کے حصے سے کمی کرتے تھے اور نہ ہی گھر والوں کے حصے سے کمی کرتے تھے بلکہ اپنے ذاتی وقت میں سے وقت بچا کر دوسروں کے کام آتے تھے۔

67۔ یعنی اکابر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مجلس میں حاضر ہوتے اور وہ دین سیکھ کر دوسروں کو سکھاتے۔ یہ نبیِ اکرم ﷺ کا اسلوبِ فرد سازی تھا۔ مربی حضرات کو چاہیے کہ لائق حضرات پر خصوصی توجہ کرکے ان کی تربیت کریں اور پھر ان کے ذریعے دوسروں =

وَلَا يَدَّخِرُ عَنْهُمْ شَيْئًا

اور اُن سے کچھ بھی چھپا کر نہ رکھتے۔

وَكَانَ مِنْ سِيْرَتِهٖ فِي جُزْءِ الْأُمَّةِ

امت کے لیے وقف کیے ہوئے اِس وقت میں آپ ﷺ کا طریقہ شریف یہ تھا کہ

إِيْثَارُ أَهْلِ الْفَضْلِ بِإِذْنِهٖ وَقَسْمِهٖ عَلَى قَدْرِ فَضْلِهِمْ فِي الدِّيْنِ

اہلِ فضل کو اذنِ باریابی اور وقت میں سے حصہ دینے میں ان کے فضلِ دینی کے لحاظ سے ترجیح دیتے تھے۔

فَمِنْهُمْ ذُوالْحَاجَةِ

بعض آنے والے ایک حاجت لے کر آتے۔

وَمِنْهُمْ ذُو الْحَاجَتَيْنِ

بعض حضرات دو دو حاجتیں لے کر حاضر خدمت ہوتے۔

وَمِنْهُمْ ذُو الْحَوَائِجِ

اور بعض حضرات کئی کئی حاجتیں لے کر حاضر ہوتے۔

فَيَتَشَاغَلُ بِهِمْ

حضور اکرم ﷺ ان کے ساتھ مشغول ہو جاتے۔[٦٨]

وَيَشْغَلُهُمْ فِيْمَا يُصْلِحُهُمْ وَالْأُمَّةَ

اور انھیں ایسے امور میں مشغول فرما دیتے جو خود ان کی اور تمام امت کی اصلاح کے لیے مفید اور کار آمد ہوں۔

= کی تربیت کریں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خواص (ماہرین و شارحینِ شریعت) اور عوام کی ایک تقسیم خود دورِ نبوت اور دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں موجود تھی۔

[٦٨] ۔ لوگوں کے مسائل کے حل کی فکر نبیِ اکرم ﷺ کا طریقہ ہے۔ ہر مسلمان کو یہ بات پلے باندھنی چاہیے اور عام مسلمانوں اور ماتحتوں کے مسائل سے واقفیت اور حل کو شیوہ بنانا چاہیے۔

مِنْ مُسَائَلَتِهِمْ عَنْهُ وَإِخْبَارِهِمْ بِالَّذِيْ يَنْبَغِيْ لَهُمْ

مثلاً ان کا حضورِ اکرم ﷺ سے سوالات کرنا اور حضور ﷺ کا اپنی طرف سے ایسے امور کی خبر دینا جو ان کے مناسب حال ہوتے۔[۶۹]

وَيَقُولُ: لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ مِنْكُمُ الْغَائِبَ

آپ ﷺ یہ بھی فرمادیا کرتے تھے کہ جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ یہ باتیں ان لوگوں تک پہنچادیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔[۷۰]

وَأَبْلِغُونِيْ حَاجَةَ مَنْ لَا يَسْتَطِيعُ إِبْلَاغَهَا

یہ بھی ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جو لوگ (کسی وجہ سے) اپنی حاجات مجھ تک نہیں پہنچا سکتے، تم لوگ ان کی ضرورتیں مجھ تک پہنچادیا کرو۔

فَإِنَّهُ مَنْ أَبْلَغَ سُلْطَانًا حَاجَةَ مَنْ لَا يَسْتَطِيعُ إِبْلَاغَهَا

پس جو شخص امیر (سلطان) تک ان لوگوں کی حاجات پہنچائے گا جو خود نہیں پہنچا سکتے،

۶۹۔ ان ہی مسائل وواقعات کے نتیجے میں سنت اور شریعت کے ڈھانچے کی تکمیل ہوئی ہے۔ ان الفاظ اور دیگر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال کے جواب میں سائل کی مصلحت کا خیال رکھا جائے۔ مجیب جواب دینے میں سائل کا پابند نہیں ہے۔ وہ پوچھی گئی بات سے کم بھی بتا سکتا ہے اور زیادہ بھی، اور اعراض بھی کر سکتا ہے۔ ان تینوں صورتوں کا انحصار سائل کے احوال وظروف اور سوال کی نوعیت واہمیت پر ہے۔

۷۰۔ یہ آپ ﷺ کا طریقۂ تربیت تھا کہ جس کو علم کی بات سکھاتے اسے آگے سکھانے کی تلقین فرماتے، اس طرح خود اسے بھی یاد رہتا، عمل کا جذبہ بیدار رہتا اور دعوت بھی فروغ پاتی۔ خطبہ حجۃ الوداع میں بھی آپ نے اس کی تلقین کی تھی۔ اسی طرح ایک دفعہ آپ ﷺ نے دجال کے حالات بیان کیے اور فرمایا جو میری مجلس میں موجود ہے اور میری باتیں سنتا ہے اسے چاہیے کہ غیر موجود لوگوں کو بتائے۔ (المعجم الکبیر) اسی طرح ایک بار آپ ﷺ نے نماز کے بارے میں کچھ بتایا اور پھر فرمایا جو موجود ہیں وہ غائبین تک پہنچادیں۔ (ایضاً) اسی طرح آپ ﷺ نے ایک بار فرمایا: "حاضرین غیر موجود لوگوں کو بتادیں کہ طلوعِ فجر کے بعد کوئی (نفل) نماز نہیں ہے سوائے فجر کی دو (سنت) رکعتوں کے"۔ (السنن الكبرىٰ للبيهقي)

ثَبَّتَ اللّٰهُ قَدَمَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کو ثابت قدم رکھیں گے۔[71]

لَا يُذْكَرُ عِنْدَهُ إِلَّا ذَلِكَ

آپ ﷺ کی مجلس میں صرف ایسی ہی ضروری اور مفید باتوں کا تذکرہ ہوتا تھا

وَلَا يَقْبَلُ مِنْ أَحَدٍ غَيْرَهُ

اور اس کے علاوہ کسی دوسرے سے اس کے علاوہ کوئی بات پسند نہ فرماتے۔

يَدْخُلُوْنَ رُوَّادًا

صحابہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں دینی امور کے طالب بن کر حاضر ہوتے تھے۔

وَلَا يَفْتَرِقُونَ اِلَّا عَنْ ذَوَاقٍ

اور یہاں سے الگ نہ ہوتے مگر (علم و حکمت سے) خوب سیر ہو کر،

وَيَخْرُجُونَ أَدِلَّةً يَعْنِي عَلَى الْخَيْرِ''

پھر یہاں سے ہدایت اور خیر کے رہنما بن کر نکلتے تھے''۔[72]

نبیِ اکرم ﷺ کا لوگوں سے میل جول

قَالَ: فَسَئَلْتُهُ عَنْ مَخْرَجِهٖ كَيْفَ يَصْنَعُ فِيْهِ، قَالَ:

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد صاحب سے آپ ﷺ کے باہر تشریف لے جانے کے

---

[71] ۔ یہ آپ کا اندازِ تربیت ہے کہ کوئی حکم بیان کرنے کے بعد اس کی فضیلت بھی بیان فرما دیتے تھے تاکہ لوگ اس کام میں دلچسپی محسوس کریں۔ معلمین و مربی حضرات کو ترغیب و تشویق کا یہ اسلوب پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔

[72] ۔ اس سے علمی مجالس میں حاضری کا پورا منشور سامنے آتا ہے کہ سیکھنے کی نیت اور ذوق و شوق سے آیا جائے اور مجلس میں توجہ سے بیٹھ کر سیکھا جائے اور پھر خود عمل کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی وہ علم سکھایا جائے بشرطیکہ خود سمجھ لیا ہو اور آگے سمجھانے کی اہلیت بھی ہو۔

متعلق دریافت کیا تو انھوں نے جواب دیا:

''كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَخْزُنُ لِسَانَهُ إِلَّا فِيْمَا يَعْنِيهِ

''نبیِ اکرم ﷺ ضروری امور کے علاوہ اپنی زبان کو خاموش رکھتے تھے۔

وَيُؤَلِّفُهُمْ وَلَا يُنَفِّرُهُمْ

اپنے ساتھیوں کی تالیف یعنی انھیں مانوس فرماتے اور انھیں متنفر نہیں کرتے تھے۔[۴۳]

وَيُكْرِمُ كَرِيْمَ كُلِّ قَوْمٍ

ہر قوم کے معزز فرد کا اعزاز و اکرام فرماتے۔[۴۴]

---

[۴۳]۔ یہ لفظ دو طرح روایت کیا گیا ہے: (وَلَا يُنَفِّرُهُمْ) ''انھیں متنفر نہیں کرتے تھے'' اور (وَلَا يُفَرِّقُهُمْ) ''ان میں تفریق نہیں پیدا کرتے تھے''۔ اس لفظی اختلاف کی بنا پر اس جملے کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں: ایک تو یہ کہ آپ ﷺ اپنے ساتھیوں کے ساتھ الفت کا معاملہ کرتے اور کوئی ایسی بات یا کام نہ کرتے جس سے صحابہ رضی اللہ عنہم آپ ﷺ سے یا دین سے متنفر ہوتے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی آپ ﷺ یہی طرز سکھایا کرتے تھے۔ جب آپ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کو کسی مہم پر بھیجتے تو تاکید فرماتے: «بَشِّرُوا وَلَا تُنَفِّرُوا وَيَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا» (متفق علیہ) ''لوگوں کو بشارتیں دو اور انھیں متنفر نہ کرو اور آسانیاں کرو اور مشکلات پیدا مت کرو''۔ دوسرا مفہوم یہ کہ آپ ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو آپس میں جوڑتے اور باہمی محبت سکھاتے، باہمی بغض و عناد کو ختم کرایا کرتے اور کوئی ایسی بات یا کام نہ برداشت کرتے جس سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان تفریق اور جدائی پیدا ہوتی۔ نبی ﷺ کی سیرت میں یہ دونوں چیزیں نظر آتی ہیں، لہٰذا یہ دونوں مفہوم صحیح ہیں۔ پس داعیان، معلّمین و مربیین کو چاہیے کہ لوگوں کو متنفر نہ کریں بلکہ اپنی ذات اور دین کے ساتھ لوگوں کو مانوس رکھیں تاکہ دعوت و تربیت میں سہولت ہو۔ خاندان کے بڑوں اور ذمے داران کو اصلاح اور صلہ رحمی کی تلقین کا خاص اہتمام کرنا چاہیے کیوں کہ آپ ﷺ نے اسے نفل عبادت سے افضل بتایا اور باہمی فساد کو مونڈھ دینے والا عمل قرار دیا۔ (ابوداوٗد)

[۴۴]۔ نبیِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جب تمھارے پاس کسی قوم کا معزز فرد آئے تو تم بھی اس کا اکرام کرو''۔ (سننِ ابنِ ماجہ) فروغِ دعوت اور تعلق و تعاونِ باہمی کے لیے یہ ضروری امر ہے۔ اگر ہم مخالفین کے اکابر کی توہین کریں گے اور ان کا احترام روا نہ رکھیں گے تو انھیں بھی ہمارے ساتھ یہ رویہ رکھنے کا جواز مل جائے گا۔

وَيُوَلِّيهِ عَلَيْهِمْ

اور (قبولِ اسلام کی صورت میں) اسی کو ان پر والی اور سردار مقرر فرما دیتے۔

وَيُحَذِّرُ النَّاسَ وَيَحْتَرِسُ مِنْهُمْ

آپ ﷺ لوگوں کو محتاط رہنے کی تلقین کرتے اور خود بھی لوگوں کے تکلیف یا نقصان پہنچانے سے اپنی حفاظت فرماتے۔

مِنْ غَيْرِ أَنْ يَطْوِيَ عَنْ أَحَدٍ مِّنْهُمْ بِشْرَهُ وَخُلُقَهُ

البتہ اس احتیاط کے باوجود کسی کو اپنی خندہ پیشانی سے ملاقات اور حسنِ اخلاق سے محروم نہیں کرتے تھے۔[۷۵]

وَيَتَفَقَّدُ أَصْحَابَهُ

اپنے ساتھیوں کی تلاش کرتے۔[۷۶]

وَيَسْئَلُ النَّاسَ عَمَّا فِي النَّاسِ

اور لوگوں سے لوگوں کے درمیان واقع ہونے والی (اچھی یا بری) باتوں کے بارے میں سوال کرتے۔

وَيُحَسِّنُ الْحَسَنَ وَيُقَوِّيهِ

اچھائی کی تحسین فرما کر اس کو تقویت پہنچاتے۔

---

[۷۵] ۔عام انسانوں کا معاملہ یہ ہے کہ اگر کسی پر اعتماد کرنے میں آئیں تو اندھا اعتماد کرتے ہیں کہ کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو پہنچا سکے اور احتیاط پر آئیں تو شک و بدگمانی اور خراب رویے تک جا پہنچتے ہیں لیکن نبیِ اکرم ﷺ کا معاملہ بالکل اعتدال پر تھا۔

[۷۶] ۔یعنی کسی کو غیر حاضر پاتے تو اس کے بارے میں دریافت کرتے۔ مریض کی عیادت کرتے، مسافر کے لیے خیریت سے لوٹنے کی دعا کرتے اور فوت شدگان کے لیے دعاے مغفرت کرتے۔ سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ہم جب کسی ساتھی کو غیر حاضر پاتے تو اس کی ملاقات کو چلے جایا کرتے تھے۔ اگر وہ بیمار ہوتا تو تیمارداری میں لگ جاتے اور اگر کسی کام میں مصروف ہوتا تو اس کا ہاتھ بٹاتے ورنہ ایسے ہی ملاقات کر کے آجایا کرتے''۔ جمیعتوں، اداروں اور عام معاشرے میں یہ سنت عام کرنی چاہیے۔

وَيُقَبِّحُ الْقَبِيْحَ وَيُوَهِّيْهِ

اور بری بات کی مذمت فرما کر اس کو زائل فرماتے۔ (۷۷)

مُعْتَدِلَ الْأَمْرِ غَيْرَ مُخْتَلِفٍ

آپ ﷺ بلا افراط و تفریط ہر امر میں اعتدال اور میانہ روی اختیار فرمانے والے تھے۔

لَا يَغْفُلُ مَخَافَةَ أَنْ يَغْفُلُوْا أَوْ يَمِيْلُوْا

ساتھیوں کی طرف سے بے خبر نہ رہتے تھے کہ مَبادا وہ دین سے غافل ہو جائیں یا سستی اور آرام طلبی کی طرف مائل ہو جائیں۔ (۷۸)

لِكُلِّ حَالٍ عِنْدَهُ عَتَادٌ

ہر کام کے لیے آپ ﷺ کے یہاں ایک خاص انتظام تھا۔

لَا يُقَصِّرُ عَنِ الْحَقِّ

حق (کی اقامت) میں نہ کبھی کوتاہی فرماتے تھے،

وَلَا يُجَاوِزُهُ

نہ حد سے تجاوز فرماتے تھے۔ (۷۹)

۷۷۔ اصلاح کا ایک یہ طریقہ بھی ہے کہ برے کی مذمت کرنے کے بجائے برائی کی مذمت کی جائے۔ اس طرح قبولِ اصلاح کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔ اسی طرح نیکی کی تحسین و حوصلہ افزائی بھی اس کے فروغ کا باعث بنتی ہے۔ نبیِ کریم ﷺ کا عام طریقہ یہی تھا۔ بعض برائی کے مرتکب لوگ برائی کی مذمت سن کر بھی اپنے گریبان میں نہیں جھانکتے تو انھیں متوجہ کرنے کی ضرورت پڑتی ہے، چنانچہ بعض دفعہ نبیِ کریم ﷺ نے لوگوں کا نام لے کر بھی ان کی مذمت کی ہے۔

۷۸۔ یعنی ساتھیوں کے احوال و دینی پیش رفت سے باخبر اور اس کے مطابق تذکیر و تعلیم، نصیحت و رہنمائی اور تربیت و اصلاح کے لیے مستعد رہتے تھے۔ معلّمین و مربی حضرات کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ شاگرد اور زیرِ تربیت افراد پر اگر مناسب توجہ و نگرانی نہ رکھی جائے تو ان میں سستی اور اضمحلال آنے کا اندیشہ موجود رہتا ہے۔

۷۹۔ سستی نہ کرنے سے اقامتِ حق میں سزا و سرزنش کا اہتمام کرنا مراد ہے لیکن اس کے ساتھ جو خاص بات ہے وہ یہ کہ تجاوز نہ =

الَّذِينَ يَلُونَهُ مِنَ النَّاسِ خِيَارُهُمْ

آپ ﷺ کے نزدیک رہنے والے حضرات لوگوں میں سے بہترین افراد تھے۔(۸۰)

أَفْضَلُهُمْ عِنْدَهُ أَعَمُّهُمْ نَصِيحَةً

آپ ﷺ کے نزدیک افضل وہی ہوتا تھا جو ہر شخص کی خیر خواہی چاہنے والا ہو۔(۸۱)

وَأَعْظَمُهُمْ عِنْدَهُ مَنْزِلَةً أَحْسَنُهُمْ مُوَاسَاةً وَّ مُوَازَرَةً''

آپ ﷺ کے نزدیک بڑے رتبے والا وہی ہوتا جو مخلوق کی عمدہ غمگساری اور امداد کرنے والا ہو''۔(۸۲)

= فرماتے تھے، یعنی ایسا نہ ہونا چاہیے کہ مجرم کو اس کے جرم سے زیادہ سزا دی جائے بلکہ شریعت کے مطابق جس حد تک وہ رعایت کا مستحق ہے وہ بھی دینی چاہیے۔

۸۰۔ مراد یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے جو زیادہ سمجھدار اور ذہین لوگ تھے آپ ان کو اپنے زیادہ نزدیک رکھا کرتے تھے تاکہ وہ آپ ﷺ سے دین اچھی طرح سیکھ کر اور احادیث اچھی طرح یاد کر کے آگے پہنچا سکیں۔ مسلم شریف کی ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے سمجھدار اور عقل مند لوگ میرے نزدیک رہا کریں، پھر ان کے بعد والے اور پھر ان کے بعد والے''۔ اس حدیث سے حفظِ مراتب کی تعلیم ملتی ہے۔ امام نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: ''اس حدیث سے افضل لوگوں کو نزدیک رکھنے کی تعلیم ملتی ہے کہ امام نماز میں اگلی صف میں ایسے سمجھدار لوگوں کو رکھے جو اس کی غلطی پر بہتر انداز میں تنبیہ کر سکیں، اسی طرح مجالسِ علم و مشاورت و سماعِ حدیث وغیرہ میں ایسے لوگوں کو مراتب کے مطابق نزدیک رکھنا چاہیے تاکہ وہ بہتر مشورہ دے سکیں اور علم سیکھ کر آگے سکھا سکیں''۔ (المنہاج) پس معلّمین و مربّیین کو چاہیے کہ اپنے زیرِ تربیت لوگوں میں سے باصلاحیت افراد کی تربیت پر خصوصی توجہ دیں۔ ان کی صلاحیت اور اُفتادِ طبع کے مطابق انھیں مختلف علمی میدانوں میں آگے بڑھاتے رہیں۔ بخاری شریف کی روایت: «يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ» ''اللہ علم کو اٹھائے گا اہلِ علم کو اٹھا کر'' کے مصداق بڑے لوگوں کا سایہ اٹھتا جا رہا ہے اور ایک قحط الرجال کی سی کیفیت پیدا ہو رہی ہے۔ اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ زیرِ تربیت افراد کو علمی و اخلاقی ترقی کی راہ پر ڈالا جائے تاکہ اسلامی معاشرے میں علمی، فکری اور انتظامی قیادت کا خلا پیدا نہ ہو۔

۸۱۔ آپ ﷺ نے تین دفعہ فرمایا: ''بے شک دین تو خیر خواہی کا نام ہے''، پوچھا گیا: کس کی خیر خواہی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی، اس کے رسول کی، اس کی کتاب کی، مسلمانوں کے حکمرانوں کی اور عام مسلمانوں کی خیر خواہی''۔ (سنن ابی داؤد)

۸۲۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مواساۃ سے دنیاوی امور میں ضرورت مندوں کی مدد اور معاونت سے مہماتِ دین اور نیکی و تقویٰ =

نبیِ اکرم ﷺ کی مجلس کی کیفیت

قَالَ: فَسَئَلْتُهُ عَنْ مَجْلِسِه، فَقَالَ:

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبیِ اکرم ﷺ کی مجلس کے حالات دریافت کیے تووالدِ محترم نے فرمایا:

’’كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَقُوْمُ وَلَا يَجْلِسُ إِلاَّ عَلَى ذِكْرٍ (وَفِيْ نُسْخَةٍ: ذِكْرِ اللّٰهِ)

’’آپ ﷺ کسی مجلس میں نہ بیٹھتے تھے اور نہ کھڑے ہوتے مگر اللہ کے ذکر کے ساتھ۔[۸۳]

= کے کاموں میں تعاون مراد لیا ہے۔(جمع الوسائل)

۸۳۔ ذکرُاللہ بندۂ مومن کی ایک مستقل صفت ہے جس کا ذکر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خاص اہتمام سے فرمایا ہے: ﴿وَالذَّاكِرِينَ اللهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾(الاحزاب:۳۵)’’اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد ہوں یا ذکر کرنے والی عورتیں، ان سب کے لیے اللہ نے مغفرت اور شاندار اجر تیار کر رکھا ہے‘‘۔ ﴿فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا﴾(البقرۃ:۲۰۰)’’اور جب تم اپنے مناسکِ حج ادا کر چکو تو اب اللہ کا ذکر کرو جیسے کہ تم اپنے آباو اَجداد کا ذکر کرتے رہے ہو، بلکہ اس سے بھی زیادہ شدومد کے ساتھ اللہ کا ذکر کرو‘‘۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللهَ ذِكْرًا كَثِيرًا، وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا﴾(الاحزاب:۴۱۔۴۲)’’اے اہلِ ایمان! اللہ کا ذکر کیا کرو کثرت کے ساتھ، اور صبح وشام اس کی تسبیح کرتے رہو‘‘۔ ﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللهِ وَاذْكُرُوا اللهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾(الجمعہ:۱۰)’’پھر جب نماز پوری ہو چکے تو زمین میں منتشر ہو جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ فلاح پاؤ‘‘۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾(الانفال:۴۵)’’اے اہلِ ایمان! جب بھی تمھارا مقابلہ ہو کسی گروہ سے تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا ذکر کرتے رہو کثرت کے ساتھ، تاکہ تم فلاح پاؤ‘‘۔ اس سے معلوم ہوا کہ مومنین کی فتح و کامرانی کا انحصار مادی وسائل سے بڑھ کر روحانی طاقت اور تعلق مع الحق پر ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَذْكُرُ اللهَ عَلَى كُلِّ أَحْيَانِهِ (صحیح بخاری)’’آپ ﷺ ہر وقت اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے‘‘۔ آپ ﷺ نے اس کی وصیت کرتے ہوئے فرمایا: «لا يَزَالُ=

وَإِذَا انْتَهٰى إِلٰى قَوْمٍ جَلَسَ حَيْثُ يَنْتَهِيْ بِهِ الْمَجْلِسُ

جب کسی جگہ آپ ﷺ تشریف لے جاتے تو جہاں جگہ ملتی وہیں تشریف رکھتے،

وَيَأْمُرُ بِذٰلِكَ

اور لوگوں کو بھی یہی حکم فرماتے (کہ جہاں خالی جگہ مل جائے وہاں بیٹھ جایا کرو)۔

يُعْطِيْ كُلَّ جُلَسَائِهِ بِنَصِيْبِهٖ

آپ ﷺ ہر شریکِ مجلس کو اُس کا حصہ (یعنی پوری توجہ) عنایت فرماتے۔

=لِسَانُكَ رَطْبًا مِنْ ذِكْرِ اللهِ (سننِ ترمذی) "تمھاری زبان ہر وقت اللہ کے ذکر سے تر رہنی چاہیے"۔ آپ ﷺ نے افضل ایمان کی ایک یہ نشانی بھی بتائی: «تُعْمِلَ لِسَانَكَ فِي ذِكْرِ اللهِ» (مسندِ احمد) "تم اپنی زبان کو اللہ کے ذکر میں لگاؤ" نیز فرمایا: «مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِسًا لَمْ يَذْكُرُوا اللهَ فِيهِ وَلَمْ يُصَلُّوا عَلَى نَبِيِّهِمْ إِلاَّ كَانَ عَلَيْهِمْ تِرَةً، فَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُمْ وَإِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُمْ» (سننِ ترمذی) "جو لوگ کسی جگہ بیٹھے پھر وہاں اللہ کا ذکر اور رسول اللہ ﷺ پر درود نہ بھیجا تو یہ بیٹھنا ان کے لیے حسرت ہوگا، البتہ اللہ کی مرضی ہے چاہے تو انھیں عذاب دے چاہے تو معاف کرے"۔ یاد رہے کہ ذکر اللہ تزکیہ اور اصلاحِ نفس کا ایک اہم اصول ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ عَجَزَ مِنْكُمْ عَنِ اللَّيْلِ أَنْ يُكَابِدَهُ، وَبَخِلَ بِالْمَالِ أَنْ يُنْفِقَهُ، وَجَبُنَ عَنِ الْعَدُوِّ أَنْ يُجَاهِدَهُ، فَلْيُكْثِرْ ذِكْرَ اللهِ» (صحیح الترغیب والترہیب) "تم میں سے جو شخص رات کی عبادت کی مشقت نہ اٹھا سکے، اور بخل کی وجہ سے مال نہ خرچ کر سکے اور بزدلی کے سبب دشمن سے جہاد نہ کر سکے تو اسے چاہیے کہ اللہ کے ذکر میں کثرت کرے"۔ حضراتِ صوفیا رحمۃ اللہ علیہم کے مجاہدات میں ایک اہم مجاہدہ بلکہ سلوک کا اصل الاصول "ذکر اللہ کی کثرت" ایسی ہی احادیث سے ماخوذ ہے، کیوں کہ ذکر کی برکت سے روحانی بیماریوں کا علاج اور اللہ کی طرف سے توفیقِ اعمال میں اضافہ ہوتا ہے۔ نیز روایاتِ کثیرہ کے مطابق اللہ کا ذکر؛ گناہوں کی معافی، شیطان کے حملوں اور عذاب سے بچانے کا اہم ذریعہ بھی ہے۔ اس مقام پر ذکر سے مراد ابتدائے کلام و مجلس اور اختتام میں اللہ کی حمد و ثنا، معمولاتِ زندگی کی دعائیں اور عمومی ذکر و اذکار ہیں۔ ان اذکار کا ترجمہ یاد کر کے انھیں شعور کے ساتھ ادا کرنا چاہیے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ذکر کا افضل رتبہ تو یہ ہے کہ شعور اور حضوریٔ قلب کے ساتھ ذکر کیا جائے اور اگر یہ نصیب ہو جائے تو یہ تو روشنی پر روشنی ہے لیکن اگر یہ میسر نہ ہو تو محض زبان سے اللہ کا ذکر کرنا بھی ایک درجے کی نیکی بہر حال ہے، بلکہ اس پر مداومت مزید عطا (یعنی حضوریِ قلب) کا ذریعہ بھی بنتی ہے"۔ (مرقاۃ المفاتیح)

لَا يَحْسَبُ جَلِيْسُهٗ أَنَّ أَحَدًا أَكْرَمُ عَلَيْهِ مِنْهُ

مجلس میں کوئی یہ نہ خیال کرتا کہ آپ ﷺ کسی دوسرے کا مجھ سے زیادہ خیال کر رہے ہیں۔[۸۴]

مَنْ جَالَسَهٗ أَوْ فَاوَضَهٗ فِي حَاجَةٍ صَابَرَهٗ

جو آپ ﷺ کے پاس بیٹھتا یا کسی امر میں آپ ﷺ کی طرف رجوع کرتا تو آپ ﷺ کمالِ صبر کے ساتھ اس کے پاس بیٹھے رہتے اور متوجہ رہتے،

حَتّٰى يَكُونَ هُوَ الْمُنْصَرِفُ عَنْهُ

یہاں تک کہ وہ خود ہی نہ لوٹ جاتا۔[۸۵]

وَمَنْ سَئَلَهٗ حَاجَةً لَمْ يَرُدَّهٗ إِلَّا بِهَا أَوْ بِمَيْسُورٍ مِنَ الْقَوْلِ

جو آپ ﷺ سے کسی حاجت کے سلسلے میں سوال کرتا آپ ﷺ اسے نہ پھیرتے تھے مگر اس کی حاجت روائی یا نرمی کی بات کے ساتھ۔[۸۶]

قَدْ وَسِعَ النَّاسَ بَسْطُهٗ وَخُلُقُهٗ

آپ ﷺ کی بخشش وعطا، خندہ پیشانی اور خوش خلقی تمام لوگوں کے لیے عام تھی۔

فَصَارَ لَهُمْ أَبًا

آپ ﷺ لوگوں کے لیے والد کی مانند تھے،[۸۷]

۸۴۔ صدرِ مجلس یا مدرس کے لیے یہ ایک اہم خوبی ہے کہ وہ ہر شریکِ محفل کو بھرپور توجہ دے۔

۸۵۔ یہاں تک کہ ہاتھ ملانے والے سے پہلے ہاتھ تک نہ چھڑاتے جب تک وہ اپنا ہاتھ نہ کھینچ لیتا۔

۸۶۔ یعنی کبھی تو آئندہ عطا کرنے کا وعدہ فرما لیتے، کبھی کسی دوسرے کے سامنے اس کی سفارش فرما دیتے، کبھی دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کو اختیار کرنے کی تلقین فرما دیتے اور کبھی محنت وکسب حلال کی نصیحت فرما دیتے۔ لیکن یہ سب کچھ نرمی کے ساتھ ہوتا۔

۸۷۔ سننِ ابنِ ماجہ کی ایک حدیث ہے: «إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ لِوَلَدِهٖ أُعَلِّمُكُمْ» ”میں تمھارے لیے ایسے ہی ہوں جیسے کوئی والد اپنی اولاد کے لیے ہوتا ہے اور میں تمھیں تعلیم دیتا ہوں“۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ والد کو اولاد کی تربیت =

وَصَارُوْا عِنْدَهٗ فِي الْحَقِّ سَوَاءً

اور تمام لوگ حقوق میں آپ ﷺ کے نزدیک برابر تھے۔

مَجْلِسُهٗ مَجْلِسُ عِلْمٍ (وَفِي نُسْخَةٍ:مَجْلِسُ حِلْمٍ) وَحَيَاءٍ وَأَمَانَةٍ وَصَبْرٍ

آپ کی مجلس، علم وحلم، حیااور صبروامانت کی مجلس تھی۔ (۸۸)

لَا تُرْفَعُ فِيْهِ الْأَصْوَاتُ

نہ اس میں آوازیں بلند ہوتیں

وَلَا تُؤْبَنُ فِيْهِ الْحُرُمُ

اور نہ ہی عزتیں پامال کی جاتیں، (۸۹)

وَلَا تُنْثٰى فَلَتَاتُهٗ، (۹۰)

اور نہ ہی کسی کی غلطیوں کی تشہیر کی جاتی۔ (۹۱)

مُتَعَادِلِيْنَ

آپس میں (حسباً ونسباً) سب برابر شمار کیے جاتے تھے۔

=کی فکر کرنا چاہیے۔ نیز یہ کہ مختلف شعبوں کے نگران حضرات کو والد کی مانند کردار ادا کرنا چاہیے یعنی ماتحتوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرنا چاہیے اور شفقت و مودّت میں والد جیسا طرزِ عمل رکھنا چاہیے۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب حضرتِ عَمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو اہلِ مکہ، طائف و ہوازن کے لشکر کا امیر بناکر شام کی طرف روانہ کیا تو یہ نصیحت بھی کی تھی: وکن علیھم کالوالد الشفیق الرفیق (فتوح الشام) ”اپنے ماتحت لوگوں پر ایسے ہونا جیسے شفیق و رفیق والد“۔

۸۸۔ یعنی آپ ﷺ کے اہلِ مجلس کی یہ نمایاں خوبیاں تھیں۔

۸۹۔ بری باتوں کا ذکر نہ کیا جاتا، کسی کی عیب جوئی، تہمت زنی، الزام تراشی اور ہر وہ کام جس سے کسی کی عزت پامال ہوتی، بچا جاتا تھا۔

۹۰۔ بعض کتابوں میں (تُنْثٰی) بھی وارد ہوا ہے لیکن معنی ایک ہی ہے۔

۹۱۔ محفل میں کسی سے ناروا قول و فعل یا سوال سرزد ہو جائے تو بجائے اسے اُچھالنے کے، نظر انداز کرنے کا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔

بَلْ کَانُوا یَتَفَاضَلُوْنَ فِیْهِ بِالتَّقْوٰی

البتہ ایک دوسرے پر فضیلت تقویٰ کی بنیاد پر ہوتی تھی۔

مُتَوَاضِعِیْنَ

تمام شرکا دوسروں کے ساتھ تواضع سے پیش آتے تھے،(۹۲)

یُوَقِّرُوْنَ فِیهِ الْکَبِیْرَ وَیَرْحَمُونَ فِیْهِ الصَّغِیْرَ

بڑوں کی تعظیم کرتے تھے، چھوٹوں پر شفقت کرتے تھے۔(۹۳)

وَیُؤْثِرُونَ ذَا الْحَاجَةِ وَیَحْفَظُونَ الْغَرِیْبَ''

اہلِ حاجت کو ترجیح دیتے تھے، اجنبی مسافر آدمی کی خبر گیری کرتے تھے''۔

۹۲۔ ایک دوسرے کے ساتھ تواضع اختیار کرنا اسلامی معاشرت کی خصوصیت ہے۔ اللہ تعالی نے نبیِ کریم ﷺ کو حکم دیا: ﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (الشعراء:۲۱۵) ''اے نبی اپنے کندھے جھکائیے، اپنے پیروکار اہلِ ایمان کے لیے''۔ نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ اللهَ أَوْحَى إِلَيَّ أَنْ تَوَاضَعُوا» (صحیح مسلم) ''بے شک اللہ نے میری جانب وحی کی کہ آپس میں تواضع اختیار کرو''۔ اور فرمایا: «وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلَّهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللهُ» (صحیح مسلم) ''جو کوئی بھی اللہ کی خاطر دوسرے کے سامنے تواضع اختیار کرے گا اللہ اسے بلندی عطا کرے گا''۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے فرمایا: «تَوَاضَعُوا لِمَنْ تَتَعَلَّمُونَ مِنْهُ وَلِمَنْ تُعَلِّمُونَهُ» (جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبد البر) ''جن سے علم سیکھتے ہو ان کے سامنے تواضع اختیار کرو اور جنھیں سکھاتے ہو ان کے سامنے بھی تواضع اختیار کرو''۔ پس حکمران و رعایا، نگران اور ماتحت، معلم و متعلم، مربی اور زیرِ تربیت افراد، غرض ہر ایک کو دوسرے کے ساتھ تواضع کا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ اس سے معیارِ اخلاق بہتر ہو گا، اخروی درجات حاصل ہوں گے، دعوت و تربیت میں ترقی ہوگی اور مذہبی و دینی، معاشرتی و سماجی اور ریاستی نظم مضبوط ہو گا۔

۹۳۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «لَيْسَ مِنْ أُمَّتِي مَنْ لَمْ يُجِلَّ كَبِيرَنَا، وَيَرْحَمْ صَغِيرَنَا، وَيَعْرِفْ لِعَالِمِنَا» (صحیح الترغیب والترہیب) ''جو ہمارے چھوٹے پر شفقت نہ کرے، بڑے کی عزت نہ کرے اور ہمارے دین کے عالم کا حق نہ پہچانے وہ ہم میں سے نہیں''۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «الْبَرَكَةُ مَعَ أَكَابِرِكُمْ» (حوالہ سابق) ''برکت تمھارے بڑوں کے ساتھ ہے''۔

نبیِ اکرم ﷺ کا ساتھیوں کے ساتھ رویہ

قَالَ الْحُسَيْنُ: سَئَلْتُ أَبِي عَنْ سِيرَةِ النَّبِيِّ ﷺ فِي جُلَسَائِهِ فَقَالَ:

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ ہم جلیسوں میں نبیِ اکرم ﷺ کی سیرت کیسی تھی؟ انھوں نے جواب دیا:

''كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ دَائِمَ الْبِشْرِ

''آپ ﷺ ہمیشہ ہشاش بشاش رہا کرتے تھے۔[۹۴]

سَهْلَ الْخُلُقِ لَيِّنَ الْجَانِبِ

خوش اخلاق اور نرم مزاج و نرم خو تھے۔

لَيْسَ بِفَظٍّ وَلَا غَلِيظٍ

نہ تو تُرش رُو تھے اور نہ ہی سخت دل تھے۔[۹۵]

وَلَا صَخَّابٍ وَلَا فَحَّاشٍ

نہ تو شور شرابہ کرنے والے تھے اور نہ ہی بدکلامی کرنے والے تھے۔[۹۶]

۹۴۔ پیچھے بیان ہوا کہ آپ ﷺ غمگین رہا کرتے تھے لیکن یہاں ذکر ہے کہ آپ ہمیشہ ہشاش بشاش نظر آتے تھے۔ تطبیق یہ ہے کہ آپ اپنے غم کو تنہائی تک محدود رکھتے تھے لیکن ساتھیوں کے سامنے ہشاش بشاش رہا کرتے تھے، کیوں کہ یہ ساتھیوں کی دل جوئی کے لیے ضروری تھا۔

۹۵۔ اللہ تعالی نے نبیِ کریم ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ﴾ (آلِ عمران: ۱۵۹) ''اے نبی یہ تو اللہ کی رحمت ہے کہ آپ ان کے حق میں بہت نرم ہیں اور اگر آپ تند خو اور سخت دل ہوتے تو یہ آپ کے اردگرد سے منتشر ہو جاتے''۔ مربیین اور حکمرانوں کے لیے ان اوصاف کا اہتمام بہت ضروری ہے۔ اس کے بغیر اللہ تعالی کی مدد بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ نبی ﷺ نے دعا کرتے ہوئے فرمایا: اے اللہ! جو میری امت کے کسی بھی امر کا نگران اور والی بنے پھر ان پر سختی کرے، تو اے اللہ! تو بھی اس پر سختی فرما، اور جو ان پر نرمی کرے، اے اللہ! تو بھی اس پر نرمی فرما۔ (صحیح مسلم)

۹۶۔ تربیت کے میدان میں مربّی کو غلطی کی اصلاح کے لیے سرزنش کی ضرورت بھی پڑتی ہے لیکن اس میں زیادہ شور شرابا=

وَلَا عَيَّابٍ وَلَا مُشَاحٍّ

نہ زیادہ عیب نکالنے والے تھے اور نہ ہی بخل و حرص سے کام لیتے تھے۔ (۹۷)

يَتَغَافَلُ عَمَّا لَا يَشْتَهِيْ

جو چیز پسند نہ ہوتی اس سے تغافل فرماتے

وَلَا يُؤْيِسُ مِنْهُ رَاجِيْهِ وَلَا يُخَيِّبُ فِيْهِ

اور امید لگانے والے کو مایوس نہ کرتے تھے اور نہ ہی اُسے ناکام لوٹاتے تھے۔ (۹۸)

= اور لعن طعن یا سخت سست کہنا غیر مناسب طرزِ عمل ہے۔ اس رویے سے لوگ اصلاح قبول نہیں کرتے بلکہ ان کے اندر ردِّ عمل اور ضد پیدا ہو جاتی ہے۔ اصلاح کے لیے دل سوزی، ہمدردی اور نرم گفتگو کے ذریعے مخاطب کے دل کو نرم کرنا چاہیے۔

۹۷۔ ہر وقت نکتہ چینی اور غلطیاں نکالتے رہنے والے سے لوگ متنفر ہو جاتے ہیں۔ خصوصاً اساتذہ اور مربیین کو اس کا خیال رکھنا چاہیے۔ (مشاحّ) کے لفظ کی مختلف روایتیں ہیں: ایک روایت میں (مَدَّاحٍ) زیادہ تعریف کرنے والا آیا ہے۔ بکثرت احادیث میں مدح کرنے سے روکا گیا ہے خصوصاً منہ پر، البتہ بعض احادیث سے یہ مطلب بھی معلوم ہوتا ہے کہ ممدوح کے فتنے میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو منہ پر بھی تعریف کی جا سکتی ہے، لیکن یہ بھی اس صورت میں جب کوئی استاد کسی شاگرد کی حوصلہ افزائی کرنا چاہتا ہو۔ البتہ (مَدَّاح) کے لفظ سے بکثرت اور زیادہ تعریفیں کرنا مراد ہے جو ظاہر ہے ممنوع ہے۔ اس لفظ کی ایک روایت (مَزَّاحٍ) "بکثرت مذاق کرنے والا" بھی ہے، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ مزاح کے بارے میں لکھتے ہیں: "کثرتِ مزاح؛ تضحیک و ایذا اور قساوتِ قلبی کا باعث بنتا ہے"۔ البتہ کبھی کبھی مباحات کے دائرے میں مذاق کیا جا سکتا ہے، جیسے نبیِ اکرم ﷺ نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ میں تمھیں اونٹ کے بچے پر سوار کروں گا"۔ (الاذکار)

۹۸۔ واقف ہوتے ہوئے بھی ناواقفیت ظاہر کرنے کو تغافل کہتے ہیں۔ (رَاجِيْه) اور (فِيْه) کی ضمیر کے مرجع اور (يُخَيِّبُ) کے لفظ کے اختلاف (جو کہ يُجِيْبُ بھی نقل ہوا ہے) کے سبب دو مطلب ہیں: پہلا یہ ہے کہ جو چیز طبعی طور پر ناپسند فرماتے اس سے تغافل فرماتے لیکن اس سے رغبت رکھنے والے کو مایوس و منع نہ کرتے البتہ اس کام کی حوصلہ افزائی بھی نہ فرماتے۔ جیسے آپ ﷺ کی خدمت میں گوہ کا گوشت پیش کیا گیا لیکن آپ نے ناپسندیدگی کی وجہ سے نہ کھایا، البتہ آپ کے سامنے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کھایا تو انھیں منع بھی نہ کیا۔ اس سے تعلیم ملتی ہے کہ مباحات کے دائرے میں =

قَدْ تَرَکَ نَفْسَهُ مِنْ ثَلَاثٍ:

آپ ﷺ نے خود کو تین کاموں سے بچا رکھا تھا:

الْمِرَاءِ وَالْإِكْثَارِ وَمَا لَا يَعْنِيهِ

اپنے لیے جھگڑا کرنے سے، زیادہ حاصل کرنے کی خواہش سے اور لایعنی کاموں سے۔[99]

وَتَرَکَ النَّاسَ مِنْ ثَلَاثٍ:

آپ ﷺ لوگوں کے بارے میں تین کام نہیں کرتے تھے۔

كَانَ لَا يَذُمُّ أَحَدًا وَلَا يَعِيبُهُ وَلَا يَطْلُبُ عَوْرَتَهُ

نہ تو کسی کی مذمت کرتے، نہ کسی کی عیب جوئی کرتے اور نہ ہی لوگوں کے پوشیدہ معاملات کے پیچھے پڑا کرتے۔[100]

= دوسروں کے مزاج کا خیال رکھنا چاہیے اور اپنے مزاج کو دوسروں پر ٹھونسنا نہیں چاہیے اور نہ ہی اسے دین کے تقاضے کے طور پر پیش کرنا چاہیے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ خود سے امید لگانے والے کو مایوس نہ کرتے اور بالکل ہی ناکام نہ لوٹاتے بلکہ اگر اہتمام نہ ہو سکتا تو کسی سے سفارش فرما دیتے اور پھر بھی نہ ہو سکتا تو تسلی و دلاسہ دے کر رخصت کرتے اور بعض اوقات تو بعد میں کسی وقت آنے کا کہہ دیتے۔

[99]۔ زیادہ جھگڑا اور بحث و مباحثے سے دوستی اور محبت متاثر ہوتی ہے۔ حضرت ابن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ”میں اپنے دوست سے بحث نہیں کرتا، کیوں کہ یا تو میں اسے غلط ثابت کروں گا (تو اسے غصہ آئے گا) یا پھر مجھے اس پر غصہ آئے گا، کیوں کہ وہ مجھے غلط ثابت کرے گا“۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”جھگڑا اور بحث و مباحثہ دل کو سخت کر دیتا ہے“۔ لفظ (إِكْثَار) سے زیادہ مال و دولت اکٹھا کرنا یا پھر کثرت سے کلام کرنا مراد ہے۔ ایک اور روایت میں (اِكْبَار) کا لفظ نقل ہوا ہے جس کا مطلب ہے بڑا بننا یعنی آپ ﷺ کو لوگوں کے درمیان بڑا بننے کا شوق نہیں تھا۔ لایعنی وہ کام ہیں جن میں نہ تو دین کا کوئی فائدہ ہے اور نہ ہی دنیا کا کوئی حقیقی فائدہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”انسان کے ایمان کی خوبصورتی میں سے ہے کہ وہ لایعنی کاموں کو چھوڑ دے“۔ (ترمذی)

[100]۔ بیان ہو رہا ہے کہ آپ کسی شخص کی مذمت نہ کرتے تھے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عام طور پر آپ ﷺ کسی برے شخص کی مذمت نہ کرتے تھے بلکہ اس برائی کی مذمت فرماتے تھے جو اس میں ہوتی جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی برے شخص کو بھی معیّن کر کے اس کی مذمت نہیں کرتے تھے کہ فلاں شخص ایسا کرتا ہے بلکہ برے شخص کی مذمت بھی غیر معین انداز=

وَلَا يَتَكَلَّمُ إِلَّا فِيْمَا رَجَا ثَوَابَهُ

آپ ﷺ وہی بات کرتے جس میں ثواب کی امید ہوتی۔[101]

وَإِذَا تَكَلَّمَ أَطْرَقَ جُلَسَاؤُهُ

جب آپ ﷺ گفتگو فرماتے تو آپ ﷺ کے پاس بیٹھے صحابہ رضی اللہ عنہم اپنی گردنیں جھکا لیتے۔

= میں کرتے یعنی یوں کہا کرتے کہ بعض لوگ یہ کام کرتے ہیں۔ لیکن یہ بھی آپ ﷺ کے معمول کا بیان ہے کسی شرعی ضرورت سے معین انداز میں کسی کا نام لے کر بھی اس کی مذمت کی جا سکتی ہے جیسا کہ بعض روایات میں رسول اللہ ﷺ کے عمل کے طور پر وارد ہوا ہے۔ اس کے بعد عیب چینی کا ذکر ہوا ہے۔ مذمت اور عیب چینی میں فرق یہ کیا گیا کہ مذمت تو منہ پر کی جاتی ہے جبکہ عیب چینی پسِ پشت کی جاتی ہے۔ بعض روایات میں (يُعَيِّبُ) کی جگہ (يُعَيِّرُ) نقل ہوا ہے، اس سے مراد کسی گناہ پر عار دلانا ہے۔ اس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا "جو شخص کسی کو گناہ پر عار دلائے گا تو وہ خود اس گناہ میں مبتلا ہو کر مرے گا"۔ (سننِ ترمذی) تیسری چیز پوشیدہ معاملات کی کھود کرید میں پڑنا ہے۔ اس سے سوء ظن اور دیگر مفاسد پیدا ہوتے ہیں۔ بہت سی احادیث میں اس سے روکا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «لَا تُؤْذُوا عِبَادَ اللهِ، وَلَا تُعَيِّرُوهُمْ، وَلَا تَطْلُبُوا عَوْرَاتِهِمْ؛ فَإِنَّهُ مَنْ طَلَبَ عَوْرَةَ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ طَلَبَ اللهُ عَوْرَتَهُ حَتَّى يَفْضَحَهُ فِي بَيْتِهِ» (مسندِ احمد) "اللہ کے بندوں کو تنگ مت کرو، نہ ہی انھیں عار دلاؤ اور نہ ہی ان کے پوشیدہ عیبوں کے پیچھے پڑو، جو ایسا کرے گا تو اللہ اس کے عیبوں کے پیچھے پڑ جائے گا اور جس کے پیچھے اللہ پڑ جائے گا اسے اپنے ہی گھر کے بیچ ذلیل کر دے گا"۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ الأَمِيرَ إِذَا ابْتَغَى الرِّيبَةَ فِي النَّاسِ أَفْسَدَهُمْ» (ابوداؤد) "جب امیر لوگوں میں شک و شبہہ (اور تجسس وغیرہ) شروع کر دے تو لوگوں کو خراب کر دیتا ہے"۔ آپ ﷺ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: «إِنَّكَ إِنِ اتَّبَعْتَ عَوْرَاتِ النَّاسِ أَفْسَدْتَهُمْ» (ابوداؤد) "اگر تم لوگوں کی پوشیدہ باتوں کے پیچھے پڑو گے تو انھیں خراب کر دو گے"۔ پس تمام مسلمانوں خصوصًا مذہبی نمائندوں کو تجسس و جاسوسی اور سوء ظن وغیرہ سے بچتے رہنا چاہیے۔

[101] پہلے بیان ہوا کہ نبیِ اکرم ﷺ بغیر ضرورت کے بات نہیں کرتے تھے، اب بیان ہو رہا ہے کہ آپ ثواب والی گفتگو کرتے تھے۔ ثواب والی گفتگو سے مراد دعوت و تبلیغ یا تذکیر بالقرآن و حدیث ہے۔ چاہیے کہ مباح گفتگو ضرورت کے مطابق کم سے کم کی جائے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ ریاض الصالحین میں لکھتے ہیں کہ گفتگو کی تین اقسام ہیں: ایک حرام گفتگو، دوسری مستحب یعنی ثواب والی گفتگو اور تیسری مباح گفتگو۔ نبیِ اکرم ﷺ کی سنت یہ ہے کہ مباح گفتگو کم سے کم کی جائے، کیوں کہ مباح کی کثرت مکروہ یا حرام کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

كَأَ نَّمَا عَلَى رُؤُوْسِهِمُ الطَّيْرُ

گویا اُن کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ (۱۰۲)

فَإِذَا سَكَتَ تَكَلَّمُوْا، لَا يَتَنَازَعُوْنَ عِنْدَهُ الْحَدِيْثَ

جب آپ ﷺ خاموش ہوجاتے تب وہ بولتے اور آپ کے سامنے کسی بات میں بھی تنازعہ پیدا نہ کرتے۔ (۱۰۳)

وَمَنْ تَكَلَّمَ عِنْدَهُ أَنْصَتُوْا لَهُ حَتّٰى يَفْرُغَ

اور جب آپ ﷺ کے سامنے کوئی اور بات کرتا تو دوسرے خاموش رہتے (اور اس کی بات سنتے) یہاں تک کہ وہ بات سے فارغ ہوجاتا۔ (۱۰۴)

حَدِيثُهُمْ عِنْدَهُ حَدِيثُ أَوَّلِهِمْ

ان (میں سے ہر ایک) کی بات ایسی ہوتی جیسے پہلے کی بات۔ (۱۰۵)

يَضْحَكُ مِمَّا يَضْحَكُونَ مِنْهُ

جن باتوں سے صحابہ رضی اللہ عنہم ہنستے، آپ ﷺ بھی اُن باتوں پر ہنستے

وَيَتَعَجَّبُ مِمَّا يَتَعَجَّبُونَ مِنْهُ

اور جن باتوں پر صحابہ رضی اللہ عنہم تعجب کا اظہار کرتے آپ ﷺ بھی اُن پر اظہار تعجب فرماتے۔

۱۰۲۔ کئی محدثین کی مجالس کا یہی حال نقل ہوا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علمی مجالس خصوصاً قرآن و حدیث کی تعلیم کے دوران باادب، متواضع اور متوجہ ہوکر بیٹھنا چاہیے تاکہ فوائد و برکات حاصل ہوسکیں۔

۱۰۳۔ صدرِ مجلس کے سامنے باہمی بحث اور ان کے خاموش ہوجانے تک کسی کو بھی بولنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

۱۰۴۔ صدرِ مجلس کے خاموش ہونے کے بعد باری باری اپنی بات کرنی چاہیے۔ دوسرے کی بات کاٹنے سے بچتے ہوئے توجہ سے اس کی بات کو سننا چاہیے۔

۱۰۵۔ یعنی اہلِ مجلس پر اکتاہٹ طاری نہیں ہوتی تھی بلکہ یوں محسوس ہوتا تھا کہ گویا ابھی بات شروع ہوئی ہے۔

وَيَصْبِرُ لِلْغَرِيبِ عَلَى الْجَفْوَةِ فِي مَنْطِقِهِ وَمَسْئَلَتِهِ

اجنبی کی بدکلامی اور سوال میں بدتمیزی پر صبر فرماتے۔[106]

حَتّٰى إِنْ كَانَ أَصْحَابُهُ لَيَسْتَجْلِبُونَهُمْ

یہاں تک کہ اس پر بھی کہ اگر صحابہ رضی اللہ عنہم ان اجنبیوں کو آپ ﷺ کی مجلس میں لے آتے۔[107]

وَيَقُولُ: اِذَا رَاَيْتُمْ طَالِبَ حَاجَةٍ يَطْلُبُهَا فَارْفِدُوْهُ

بلکہ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے جب تم کسی حاجت مند کو پاؤ تو اس کی مدد کیا کرو۔[108]

وَلَا يَقْبَلُ الثَّنَاءَ إِلَّا مِنْ مُكَافِئٍ

آپ ﷺ تعریف و مدح قبول نہ فرماتے مگر صرف اُسی کی جو میانہ روی سے کام لے۔

وَلَا يَقْطَعُ عَلَى أَحَدٍ حَدِيْثَهُ حَتّٰى يَجُوْزَ

آپ ﷺ کسی کی بات قطع نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ (حدیاحق سے) تجاوز نہ کر جاتا۔

فَيَقْطَعُهُ بِنَهْيٍ أَوْ قِيَامٍ".

تب اس کی بات ختم کر دیتے یا تو منع کر کے یا پھر مجلس سے اٹھ کر تشریف لے جاتے"۔[109]

---

[106]۔ مدرسین و مربیین کو سوالات کے جواب میں تحمل و برداشت کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔

[107]۔ اصل میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ادب و احترام کی وجہ سے آپ ﷺ کے سامنے سوال نہ کیا کرتے تھے، اس لیے ان کی خواہش ہوتی کہ کوئی اجنبی آئے اور وہ سوال کرے تاکہ ہم بھی استفادہ کریں۔

[108]۔ رِفد گھاٹ یا مقامِ مطلوب کو کہتے ہیں۔ مدد کے لیے اس لفظ کا استعمال بہت معنیٰ خیز ہے۔ مطلب یہ کہ اگر سائل کا جائز کام آپ کے اپنے ہاتھ میں ہے تو اسے پورا کر دیں بصورت دیگر اسے اس شخص یا جگہ تک پہنچا دیں جہاں سے وہ کام ہونے کی توقع ہے۔

[109]۔ پہلے بیان ہوا کہ آپ ﷺ ساتھ بیٹھنے والے کے ساتھ بیٹھے رہتے تھے لیکن جب وہ بہت زیادہ وقت لگا دے یا ناحق باتیں شروع کر دے تب اس کو یا صاف منع فرماتے یا اگر وہ باز نہ آتا تو مجلس ہی سے تشریف لے جاتے۔

ام معبد رضی اللہ عنہا کی زبان سے آپ ﷺ کا وصف

سفرِ ہجرت میں نبیِ اکرم ﷺ؛ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، اِن کے غلام حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ اور راستہ بتلانے والے عبداللہ بن اُریقط اللیثی (۱۱۰) کے ساتھ حضرت عاتکہ بنتِ خالد امِ معبد الخزاعیہ رضی اللہ عنہا کے خیمے کے پاس سے گزرے اور ان سے گوشت اور کھجور وغیرہ طلب کیا تاکہ خرید سکیں۔ کچھ نہ ملنے پر آپ ﷺ نے خیمے کے پاس بندھی ایک بکری کا دودھ نکالنے کی اجازت چاہی جو کمزوری اور بڑھاپے کی وجہ سے دوسری بکریوں کے ساتھ چرنے چگنے بھی نہیں جا سکی تھی۔ آپ ﷺ نے بکری کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا اور بسم اللہ پڑھی تو اس کے تھنوں میں دودھ اتر آیا۔ پھر آپ ﷺ نے برتن منگوا کر دودھ نکالا تو برتن بھر گیا۔ آپ ﷺ نے یہ دودھ حضرت امِ معبد رضی اللہ عنہا کو پینے کو دیا۔ انھوں نے پی لیا تو پھر آپ ﷺ کے ساتھیوں نے پیا اور آخر میں آپ ﷺ نے پیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ایک دفعہ اور دودھ نکالا اور برتن بھر کر حضرت امِ معبد رضی اللہ عنہا کو دے دیا۔ پھر اپنے دودھ کی قیمت ادا کی، کچھ آرام کیا اور آگے چل پڑے۔ آپ ﷺ کے جانے کے بعد اِن کے خاوند، اکثم بن ابی الجون ابو معبد رضی اللہ عنہ آئے۔ جب انھوں نے دودھ دیکھا تو حیران ہو کر پوچھا یہ دودھ کہاں سے آیا جبکہ گھر میں جو بکری ہے وہ تو دودھ دینے سے قاصر ہے۔ امِ معبد رضی اللہ عنہا نے کہا آج ایک بابرکت ہستی آئی تھی اور پھر واقعہ بیان کیا۔ ابو معبد رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا ان کی صفت بیان کرو تو وہ یوں گویا ہوئیں:

''رَأَيْتُ رَجُلًا ظَاهِرَ الْوَضَاءَةِ

''میں نے ایک ایسا آدمی دیکھا ہے جس کا حسن و جمال ظاہر تھا۔

أَبْلَجَ الْوَجْهِ، حَسَنَ الْخَلْقِ

صاف شفاف، چمکتا دمکتا چہرہ تھا، اعضا خوبصورت و متناسب تھے۔

۱۱۰۔ علامہ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''میں نہیں جانتا کہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ کسی نے ان کے اسلام کا ذکر کیا ہے''۔ علامہ مقدسی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ''ان کا اسلام لانا معروف نہیں ہے''۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تہذیب الاسماء میں یہی رائے اختیار کی ہے۔ (الإصابة في تمييز الصحابة)

لَمْ تَعِبْهُ نُحْلَةٌ (أو ثُجْلَةٌ) وَلَمْ تُزرِ بِهِ صَعْلَةٌ

بدن اتنا کمزور (یا اتنا موٹا) نہ تھا کہ باعث مشقت ہوتا، لمبی اور پتلی گردن عیب دار نہ کرتی اور نہ ہی سر اتنا چھوٹا کہ باعث عیب ہوتا۔

وَسِيمٌ قَسِيمٌ

نین نقش عمدہ تھے، چہرہ تروتازہ و حسین تھا (یا تقسیم اچھی طرح کرنے والے تھے)۔

فِي عَيْنِهِ دَعَجٌ، وَفِيْ أَشْفَارِهِ غَـطَفٌ

آنکھوں کی سیاہ اور سفیدی دونوں زوروں پر تھیں اور ان کی پلکوں میں طول اور خم تھا۔

وَفِيْ صَوْتِهِ صَهَلٌ (أو صَحَلٌ)، وَفِي عُنُقِهِ سَطَعٌ

آواز میں خاص آہنگ و کھنک تھی اور گردن میں طول (یا نور) تھا۔

وَفِيْ لِحْيَتِهِ كَثَاثَةٌ،أَزَجُّ أَقْرَنُ

داڑھی گھنیری، ابرو بھرپور، گھنے، نزدیک اور کماندار تھے،

إِنْ صَمَتَ فَعَلَيْهِ الْوَقَارُ

خاموش رہتے تو وقار و دبدبہ چھایا رہتا،

وَإِنْ تَكَلَّمَ سَمَا وَعَلاَهُ الْبَهَاءُ

جب تکلم فرماتے تو بلند آہنگی کے ساتھ کہ نمایاں ہوکر چھاجاتے اور ان پر تازگی اور بہار اتر آتی۔

أَجْمَلُ النَّاسِ وَأَبْهَاهُ مِنْ بَعِيدٍ، وَأَحْلاَهُ وَأَحْسَنُهُ مِنْ قَرِيبٍ

دور سے بھی تمام لوگوں سے حسین و جمیل اور پر رونق دکھتے تھے اور نزدیک سے تو اور پیارے اور خوبصورت لگتے تھے۔

حُلْوُ الْمَنْطِقِ ،فَصْلٌ، لَا نَزْرٌ وَلَا هَزْرٌ

شیریں بیان و خوش گفتار تھے، ٹھہر ٹھہر کے بولتے، نپی تلی گفتگو فرماتے الفاظ نہ کم نہ زیادہ۔

كَأَنَّ مَنْطِقَهُ خَرَزَاتُ نَظْمٍ يَتَحَدَّرْنَ

بولتے تو یوں لگتا جیسے لعل ویاقوت کی لڑی سے موتی بکھر رہے ہوں۔

رَبْعَةٌ لَا يَأْسَ مِنْ طُولٍ، وَلَا تَقْتَحِمُهُ عَيْنٌ مِنْ قِصَرٍ

قد ایسا درمیانہ کہ لمبائی سے محروم نہ ہولیکن دیکھنے میں پست قامت بھی نہ لگے۔

غُصْنٌ بَيْنَ غُصْنَيْنِ فَهُوَ أَنْضَرُ الثَّلَاثَةِ مَنْظَرًا، وَأَحْسَنُهُمْ قَدْرًا

دو شاخوں (ایک انتہائی لمبی اور دوسری انتہائی پست) میں سے درمیانی شاخ کی مانند تھے، اپنے تینوں ساتھیوں سے زیادہ خوش نما تھے، ان کی قدر بھی زیادہ کی جاتی تھی۔

لَهُ رُفَقَاءُ يَحُفُّونَ بِهِ، إِنْ قَالَ أَنْصَتُوا لِقَوْلِهِ

ان کے ساتھی ان پر جان نچھاور کرتے تھے، اگر وہ بات کرتے تو وہ متوجہ ہو کر بات سنتے۔

وَإِنْ أَمَرَ تَبَادَرُوْا إِلٰى أَمْرِهٖ،

اور اگر کوئی حکم دے دیتے تو ہر ایک تعمیل میں سبقت لے جانا چاہتا۔

مَحْفُودٌ ، مَحْشُودٌ

ان کی خدمت کی جاتی اور ساتھی آپ ﷺ کے لیے بھاگ دوڑ پر آمادہ اور آگے پیچھے پھرا کرتے، (۱۱۱)

۱۱۱۔ قرآنِ کریم میں رسول اللہ ﷺ کا خاص ادب واحترام سکھایا گیا ہے جس کے زیرِ اثر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے ساتھ خاص عقیدت رکھتے تھے۔ نبیِ اکرم ﷺ کی یہ عزت وتوقیر چونکہ حاملِ دین اور پیغمبرِ خدا ہونے کے ناتے تھی، اس لیے درجہ بدرجہ یہ ادب ان تمام لوگوں کے لیے بھی ہے جو حاملِ دین یا محافظِ دین ہیں۔ چنانچہ نبی ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ مِنْ إِجْلَالِ اللهِ إِكْرَامَ ذِى الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ وَحَامِلِ الْقُرْآنِ غَيْرِ الْغَالِي فِيهِ وَالْجَافِي عَنْهُ وَإِكْرَامَ ذِى السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ» (ابوداؤد) ”بے شک بوڑھے مسلمان کی عزت کرنا، حاملِ قرآن کی عزت کرنا جو نہ تو قرآن کے آداب وحدود کو پامال کرتا ہو اور نہ ہی اس سے بے رغبتی وبے تعلقی کا مظاہرہ کرتا ہو اور عادل حکمران کی عزت کرنا اللہ کی عزت میں سے ہے“۔ لہٰذا علماوصلحا اور شیوخ کی عزت اور ادب واحترام کا خیال رکھنا چاہیے۔

لَا عَابِسٌ وَلَا مُفَنَّدٌ (أَو مُعْتَدٍ)''.

لیکن اس سب کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو ساتھیوں کے ساتھ اظہارِ برہمی فرماتے اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو بے کار سمجھا جاتا تھا (اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم زیادتی کرنے والے تھے)''۔[۱۱۲]

یہ تعریف سن کر ان کے خاوند ابو معبد رضی اللہ عنہ نے کہا یہ تو وہی معلوم ہوتے ہیں جن کا چرچا قریش میں ہے۔ میرا تو ان کا ساتھ دینے کا ارادہ تھا اور اب بھی اگر مجھے ان تک جانے کا کوئی راستہ مل گیا تو میں ان کا ساتھ دوں گا۔ یہ دونوں میاں بیوی بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔

* * * * *

تخریج

۱. روایتِ ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ

الشّمائلُ الْمُحَمّدية للإمام أبي عيسىٰ التِرمِذي، بابُ ماجاءَ في خَلْقِ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم، بابُ مَاجاءَ في تواضُعِ رَسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم، بابُ ماجاءَ في خُلُقِ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم و رواهُ كثيرٌ مِنَ الْمُحَدِّثين.

۲. روایتِ امِّ معبد رضی اللہ عنہا

مستدرک حاکم، کتابُ التواريخ، كتابُ الهِجْرَةِ، ورَواهُ الْبَيْهَقِي في دَلائِلِ النُّبوةِ، جُماع أبوابِ صفةِ رسول اللهِ صلى الله عليه وسلم، بابُ حديثِ أمِّ معبدٍ، ورواهُ الأصبهاني في الدلائلِ و السُيوطيُ في الْخَصائِصِ الكبرىٰ و ابْنُ كثيرٍ في الْبِدَايةِ و النّهايةِ، بابٌ في هِجْرَةِ رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم.

* * * * *

---

[۱۱۲]۔ ساتھیوں کی جاں فروشی اور ادب واحترام کے بالمقابل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رویہ شفقت و رحمت والا تھا۔ معلّمین و مدرسین اور داعیان کو چاہیے کہ دوسروں کی عقیدت و محبت کے سامنے تواضع وانکساری کا مظاہرہ کرتے رہیں اور ایک طرح سے یہ اپنے تکبر وخود پسندی کا علاج بھی ہے۔

حضورِ اکرم ﷺ کا شجرۂ نسب مبارک

والد کی جانب سے:

مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ المُطَّلِبِ بْنِ هَاشِمِ بْنِ عَبْدِ مَنَافِ بْنِ قُصَيٍّ بْنِ كِلاَبِ بْنِ مُرَّةَ بْنِ كَعبِ بْنِ لؤَيٍّ بْنِ غالِبِ بْنِ فِهْرِ بْنِ مَالِكِ بْنِ النَّضْرِ بْنِ كِنَانَةَ بْنِ خُزَيْمَةَ بْنِ مُدْرِكَةَ بْنِ إِلْيَاسَ بْنِ مُضَرَ بْنِ نِزَارِ بْنِ مَعَدِّ بْنِ عَدْنَانَ.

صحيح البخاري، كتاب مناقب الأنصار، باب مبعث النبي ﷺ

والدہ کی جانب سے:

مُحَمَّدُ بْنُ آمِنَةَ بِنْتِ وَهْبِ بْنِ عَبْدِ مَنَافِ بْنِ زُهْرَةَ بْنِ كِلابِ.

الروض الأنف، ٦/٢، ط: دار إحياء التراث العربي-بيروت

نوٹ: دونوں سلسلے ''کلاب'' پر جاکر مل جاتے ہیں۔

* * * * *

شمائل النبی ﷺ کے موضوع پر چند کتابوں کی فہرست

خصائلِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام، اردو ترجمہ: شمائلِ ترمذی از شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، دارالاشاعت کراچی۔

خصائلِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام، اردو شرح: شمائلِ ترمذی از عبدالصمد ریالوی، منیر احمد وقار، مکتبہ انصار السنہ لاہور۔

الخصائص الکبریٰ، للإمام جلال الدين السيوطي مترجم: علامہ مقبول احمد، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور۔

الشفاء بتعريف حقوق المصطفى ﷺ، للقاضي عياض، مترجم: علامہ سید احمد علی شاہ، فرید بک سٹال، لاہور۔

الشفاء بتعريف حقوق المصطفى ﷺ، مترجم: مفتی سید غلام معین الدین نعیمی، مکتبہ اعلیٰ حضرت، لاہور۔

انوارِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام (تلخیص المواہب اللدنیہ)، از: علامہ یوسف بن اسماعیل، مترجم: غلام ربانی عزیز، مکتبہ نبویہ، لاہور۔

شمائلِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام، از: استاد محمد جمیل زینو، مترجم: ابو ضیا محمود احمد غضنفر، الفلاح پبلی کیشنز، لاہور۔

استفادہ برائے ترجمہ و تشریح

خصائلِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام، اردو ترجمہ: شمائلِ ترمذی، از: شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ۔

خصائلِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام، اردو شرح: شمائلِ ترمذی، از: عبدالصمد ریالوی، منیر احمد وقار۔

جمع الوسائل في شرح الشمائل و شرح الشفاء، از: ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ۔

المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية، از: ابراہیم ابن الباجوری رحمۃ اللہ علیہ۔

منتهَى السؤالِ على وسائلِ الوصولِ إلى شمائلِ الرسولِ ﷺ، از: عبداللہ بن سعید بن محمد المکی۔

*****

نعتِ رسول ﷺ

سلام اس پر کہ جس نے بے کسوں کی دستگیری کی
سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی
سلام اس پرکہ اسرارِ محبت جس نے سکھلائے
سلام اس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے
سلام اس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں
سلام اس پر کہ دشمن کو حیاتِ جاوداں دے دی
سلام اس پر ابو سفیان کو جس نے اماں دے دی
سلام اس پر کہ جس کا ذکر ہے سارے صحائف میں
سلام اس پر، ہوا مجروح جو بازارِ طائف میں
سلام اس پر، وطن کے لوگ جس کو تنگ کرتے تھے
سلام اس پر کہ گھر والے بھی جس سے جنگ کرتے تھے
سلام اس پر کہ جس کے گھر میں چاندی تھی نہ سونا تھا
سلام اس پر کہ ٹوٹا بوریا جس کا بچھونا تھا
سلام اس پر جو سچائی کی خاطر دکھ اٹھاتا تھا
سلام اس پر جو بھوکا رہ کے اوروں کو کھلاتا تھا
سلام اس پر جو اُمت کے لیے راتوں کو روتا تھا
سلام اس پر جو فرشِ خاک پر جاڑے میں سوتا تھا

سلام اس پر جو دنیا کے لیے رحمت ہی رحمت ہے
سلام اس پر کہ جس کی ذات فخرِ آدمیّت ہے
سلام اس پر کہ جس نے جھولیاں بھر دیں فقیروں کی
سلام اس پر کہ مشکیں کھول دیں جس نے اسیروں کی
سلام اس پر کہ جس کی چاند تاروں نے گواہی دی
سلام اس پر کہ جس کی سنگ پاروں نے گواہی دی
سلام اس پر کہ جس نے زندگی کا راز سمجھایا
سلام اس پر کہ جو خود بدرؔ کے میدان میں آیا
سلام اس پر کہ جس کا نام لے کر اس کے شیدائی
الٹ دیتے ہیں تختِ قیصریت، اوجِ دارائی
سلام اس پر کہ جس کے نام لیوا ہر زمانے میں
بڑھا دیتے ہیں ٹکڑا سرفروشی کے فسانے میں
سلام اس ذات پر جس کے پریشاں حال دیوانے
سنا سکتے ہیں اب بھی خالد و حیدر کے افسانے
درود اس پر کہ جس کی بزم میں قسمت نہیں سوتی
درود اس پر کہ جس کے ذکر سے سیری نہیں ہوتی
درود اس پر کہ جس کے تذکرے ہیں پاک بازوں میں
درود اس پر کہ جس کا نام لیتے ہیں نمازوں میں
درود اس پر، جسے شمعِ شبستان ازل کہیے
درود اس ذات پر فخرِ بنی آدم جسے کہیے

ماہر القادری

*****